جون ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تصادم کا مرحلہ ثانی : اقدام اور چیلنج

☆ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا تاریخی پس منظر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

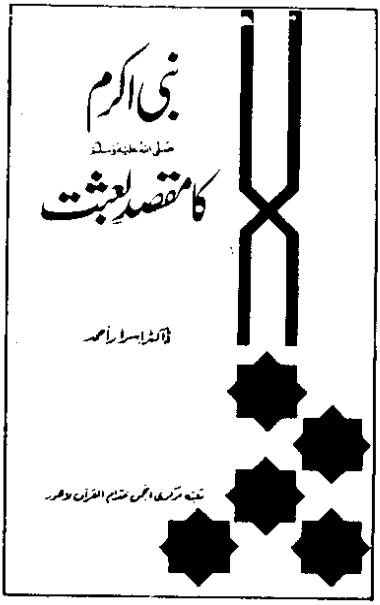

اشاعتِ خاص -/۲۰ روپے، عام -/۱۰ روپے

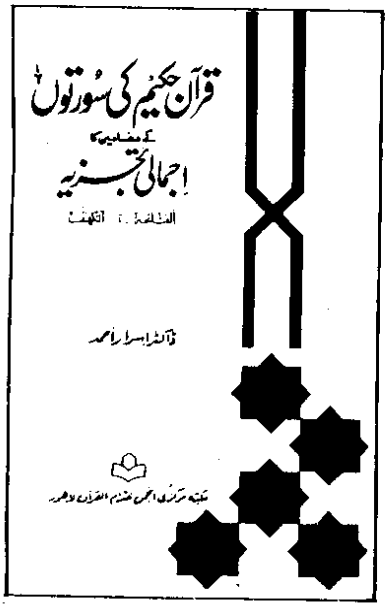

اشاعتِ خاص-۴۵ روپے، عام-۲۵ روپے

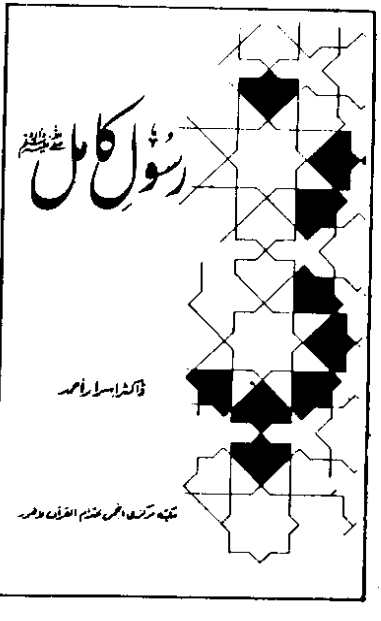

اشاعتِ خاص-۱۶/ روپے، عام-/۱۰ روپے

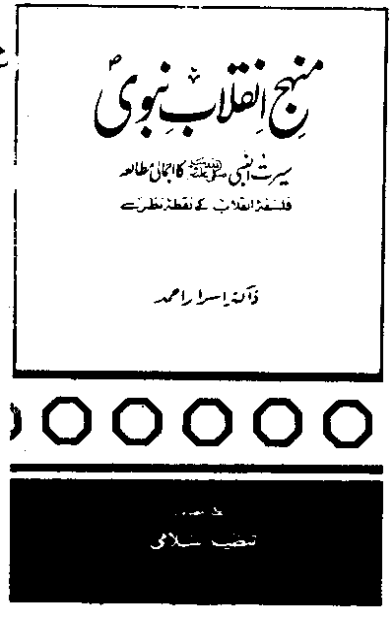

اشاعت عام -/۷۲ روپے

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : ۴۷
شمارہ : ۶
صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
جون ۱۹۹۸ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زر تعاون ۱۰۰/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

اداریہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون: 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 7۔اے گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ـــــــــــــــــــــ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ منہج انقلاب نبوی ﷺ (۶) ـــــــــــــــــــــ ۷

تصادم کا مرحلۂ ثانی : اقدام اور چیلنج

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ شہید مظلوم (۳) ـــــــــــــــــــــ ۳۴

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ اسلامی نظام اخلاق ـــــــــــــــــــــ ۴۹

اور ہماری ذمہ داریاں

ڈاکٹر محمد آصف ہزاروی

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار (۳) ـــــــــــــــــــــ ۵۸

علامہ محمد صالح المنجد

☆ گوشہ خواتین ـــــــــــــــــــــ ۷۱

ماں کی عظمت

مختار حسین فاروقی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

بھارت میں متعصب ہندو سیاسی پارٹی بی جے پی نے برسراقتدار آتے ہی تجرباتی بنیاد پر یکے بعد دیگرے پانچ ایٹمی دھماکے کر کے اس خطے میں طاقت کے توازن کے مسئلہ پر شدید بحرانی کیفیت پیدا کر دی ہے اور پاکستان کی سالمیت اور تحفظ کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ بی جے پی نے عالمی رائے عامہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے پوری ڈھٹائی کے ساتھ ایٹمی دھماکے کر کے اپنے انتخابی وعدوں میں سے ایک وعدہ پورا کر دکھایا ہے جس سے بھارت میں اندرونی طور پر اس کی سیاسی پوزیشن کو اگرچہ غیر معمولی استحکام ملا ہے لیکن پاکستان کے طول و عرض میں اس سے ایک اضطراب اور شدید بے چینی کا پھیل جانا ایک فطری امر ہے جس کا فوری تدارک اگر نہ کیا گیا تو پاکستان نفسیاتی طور پر انڈیا کے شدید دباؤ میں آجائے گا اور برابری کی بنیاد پر انڈیا سے مذاکرات کرنے اور معاملات طے کرنے کی پوزیشن ہمیشہ کے لئے کھو دے گا۔ پوری دنیا میں بھارت کے اس اقدام کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور عالمی طاقتوں نے بظاہر بھارت کی شدید مذمت کرتے ہوئے اس پر معاشی پابندیاں عائد کرنے کا عندیہ بھی دیا ہے لیکن صاف نظر آتا ہے کہ امریکہ اور دیگر عالمی طاقتوں کے اس نوعیت کے دھمکی آمیز بیانات کا اصل مقصد بھارت کو مطعون کرنا نہیں بلکہ پاکستان کو ہراساں اور مرعوب کرنا ہے تاکہ پاکستان جوابی طور پر ایٹمی دھماکہ کرنے کا خیال اپنے ذہن سے نکال دے۔ حالانکہ پاکستان نہ صرف یہ جوابی دھماکہ کرنے کا بھرپور اخلاقی جواز رکھتا ہے بلکہ اس کی سالمیت اور تحفظ کے لئے ایسا کرنا ایک ناگزیر ضرورت ہے جس سے اسے روکنا صریحاً بلاجواز ہوگا۔

نواز شریف حکومت اس حوالے سے ایک شدید امتحان سے دوچار ہے۔ ایک طرف امریکی دباؤ ہے جس میں دیگر عالمی طاقتیں بھی امریکہ کی ہمنوا ہیں' اور دوسری جانب متفقہ عوامی مطالبہ ہے جو ملک و قوم کی مصلحتوں کا آئینہ دار بھی ہے۔ امریکہ اس ضمن میں "گاجر اور چھڑی" کی پالیسی اپنائے ہوئے ہے۔ شدید نوعیت کی معاشی پابندیوں کی دھمکی کے ساتھ ساتھ "لالی پاپ اور مونگ پھلیوں" کا لالچ بھی دیا جا رہا ہے۔ موجودہ حکومت شدید مخمصے کا شکار ہے۔ امریکی دباؤ قبول کرتی ہے تو عوامی حمایت سے محرومی اس کے حصے میں آتی ہے' عوامی مطالبے کے سامنے سر جھکاتی ہے تو چچا سام کی پشت پناہی سے محرومی اور مزید معاشی بدحالی اس کا مقدر بنتی ہے جو اقتدار سے محرومی پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔ گویا ع "فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے' دل یا شکم؟"

جہاں تک بھارتی ایٹمی دھماکوں کے جواب میں پاکستان کے لئے ایٹمی دھماکے کے جواز کا تعلق

ہے یہ ایک بدیہی حقیقت ہے۔ تقسیم ہند اور قیام پاکستان آج بھی ہندو سامراج کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے اور بھارتی حکمرانوں کی دلی آرزو ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ وہ تقسیم کے نتیجے میں قائم ہونے والی سرحدی لکیر کو مٹا کر نظریہ پاکستان کو ہمیشہ کے لئے دفن اور پاکستان کے نام کو ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات سے محو کر دیں۔ بی جے پی کے برسراقتدار آنے کے بعد تو یہ معاملہ پہلے سے کہیں زیادہ سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔ بھارت کے ان ناپاک عزائم کی راہ میں اگر کوئی چیز رکاوٹ بن سکتی ہے تو وہ "ایٹمی ڈیٹرنٹ" ہے' اس لئے کہ جنگی قوت و صلاحیت اور اسلحے کی دوڑ میں پاکستان ہر اعتبار سے بھارت سے بہت پیچھے ہے۔ گویا پاکستان کی سالمیت اور تحفظ کے نقطہ نگاہ سے جوابی ایٹمی دھماکہ کرنا ایک ناگزیر قومی ضرورت ہے جس سے گریز خودکشی کے مترادف ہوگا۔ لیکن اس معاملے کا ایک دوسرا اور ہمارے نقطہ نگاہ سے اہم تر پہلو بھی ہے جس کی طرف اشارہ امیر تنظیم اسلامی نے بھی اپنے حالیہ خطاب جمعہ میں کیا تھا۔ اور وہ یہ کہ قرآن حکیم میں دو ٹوک الفاظ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ دشمن کے مقابلے کے لئے بھرپور جنگی قوت اور سامان حرب فراہم کرو تاکہ تم اس کے ذریعے دشمن کے دلوں پر دھاک بٹھا سکو' اسے مرعوب اور خوفزدہ کر سکو۔ گویا اس وقت جوابی ایٹمی دھماکہ کرنا ہماری قومی و ملی ضرورت ہی نہیں' دینی فریضہ بھی ہے۔

ہمارے ملک کا ایک طبقہ اس بات سے بہت خائف نظر آتا ہے کہ جوابی دھماکہ کرنے کی صورت میں ہم پر عالمی سطح پر معاشی پابندیاں عائد کر دی جائیں گی۔ یہ اندیشہ اگرچہ بجا ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس کی کیا گارنٹی ہے کہ دھماکہ نہ کر کے ہم معاشی طور پر خوشحال ہو جائیں گے۔ ہماری ملکی معیشت جس منحوس چکر کی لپیٹ میں ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے ابھی تک دھماکہ نہیں کیا لیکن اس کے باوجود بھی آج ہمارا سٹاک ایکسچینج تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہا ہے۔ بیرونی قرضوں کے محض سود کی ادائیگی کے لئے بھی ہم مزید سودی قرضے لینے پر مجبور ہیں بلکہ اس کے لئے دربدر بھیک مانگتے اور آئی ایم ایف کی خوشامد کرتے پھرتے ہیں۔ امریکہ کی جانب سے بے وفائی اور وعدوں سے پھر جانے کا تجربہ ہمیں بارہا ہو چکا ہے۔ ہماری فاقہ کشی کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم قرض کی مے پینے بلکہ پیتے رہنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس منحوس چکر سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم سے یہ بیساکھیاں چھین لی جائیں۔ ہم پر جب تک لیبیا' ایران اور سوڈان کی طرز پر معاشی پابندیاں عائد نہیں ہوں گی ہمارے اندر قومی سطح پر بیداری اور اپنی ذمہ داری اور مقصد کا شعور اجاگر نہیں ہوگا اور ہمارے اندر معاشی طور پر خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی امنگ پیدا نہیں ہوگی۔ لہٰذا "تو نے اچھا ہی کیا دوست سہارا نہ دیا۔ ہم کو لغزش کی ضرورت تھی سنبھلنے کے

لئے" کے مصداق ہمیں قوی امید ہے کہ یہ ممکنہ معاشی پابندیاں انجام کار کے اعتبار سے ہمارے لئے خوش آئند ثابت ہوں گی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے لئے ابتدا میں ہمیں سختیاں جھیلنے اور قربانیاں دینے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ گھاس کھا کر گزارہ کرنے کے لئے ذہنا آمادہ ہونا پڑے گا' تبھی ہم معاشی طور پر خود کفیل اور اقوام عالم میں ایک باعزت قوم کے طور پر ابھر سکیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کے لئے اللہ کی مدد اور نصرت و حمایت ہمیں درکار ہوگی' جس کے حصول کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہم اس ملک خداداد پاکستان میں قرآن و سنت کی بالادستی کے نظام کو نافذ و غالب کریں۔ پاکستان کی سالمیت اور بقا کے لئے یہ قدم اٹھانا ناگزیر ہے۔

☆ ☆ ☆

امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ حسب پروگرام دونوں گھٹنوں کا آپریشن کروانے کے بعد جمعرات ۲۱ مئی کو پاکستان واپس تشریف لے آئے تھے۔ بحمد اللہ آپریشن کے بعد گھٹنوں کی قدیمی تکلیف بہت حد تک رفع ہو چکی ہے اور بحالی صحت کی رفتار بھی اطمینان بخش ہے۔ امیر تنظیم نے وطن واپس تشریف لاتے ہی اگلے روز یعنی جمعہ ۲۲ مئی کو مسجد دارالسلام میں اجتماع جمعہ سے خطاب فرمایا اور جوابی ایٹمی دھماکے کی ضرورت و اہمیت اور دھماکہ نہ کرنے کے خوفناک نتائج و عواقب پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس خطاب جمعہ کا پریس ریلیز جو اس کے جامع خلاصے کی حیثیت رکھتا ہے' حسب ذیل ہے :

جوابی ایٹمی دھماکہ نہ کرنا کفران نعمت اور ملک و ملت سے غداری ہے

۲۲۔ مئی' بھارتی ایٹمی دھماکوں کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے ایٹمی صلاحیت کا بھرپور مظاہرہ ہماری اہم قومی ضرورت ہی نہیں ہمارا دینی و ملی فریضہ بھی ہے۔ بھارت کے پے در پے ایٹمی دھماکوں کے بعد جنوبی ایشیا میں پیدا ہونے والی نئی صورت حال کے نتیجے میں پاکستان فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا ہے۔ چنانچہ بھارتی دھماکوں کے بعد اگر جوابی ایٹمی دھماکہ نہ کیا گیا تو پاکستان بھارت کا طفیلی ملک بن کر رہ جائے گا۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کا قیام چار سو سالہ تجدیدی و احیائی کوششوں کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ پاکستان کے معجزانہ قیام کی طرح ملک کی ایٹمی صلاحیت بھی عطیہ خداوندی ہے۔ اس خداداد ایٹمی صلاحیت کا مظاہرہ نہ کرنا کفران نعمت اور ملک و ملت سے غداری کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ بھارت میں متعصب ہندو سیاسی پارٹی بی جے پی کے برسر اقتدار آنے کے بعد اب بھارت کے ایٹم بم کو "ہندو بم" کہنا زیادہ مناسب ہوگا جس کے مقابلہ کے لئے "اسلامی بم" سامنے لایا جانا ضروری ہے۔

انہوں نے کہا اگرچہ بھارت پاکستان سے کئی گنا بڑا ملک ہے مگر ہم نے اب تک نفسیاتی طور پر خود کو بھارت کی ہم پلہ قوت کے طور پر برقرار رکھا ہوا ہے لیکن اب اگر پاکستان ایٹمی دھماکہ کرنے میں ناکام رہا تو ہم نہ صرف بھارت کے طفیلی بلکہ امریکہ کے آلہ کار بن کر رہ جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اسلام کے عالمی غلبہ اور امت مسلمہ کے حوالے سے اب بھی فیصلہ کن کردار ادا کر سکتا ہے' لیکن اگر ہم نے ایٹمی دھماکہ کے سلسلے میں عالمی طاقتوں کا دباؤ قبول کر لیا تو اسلام اور عالم اسلام کے ضمن میں پاکستان کا اہم ترین کردار ختم ہو جائے گا۔

انہوں نے کہا کہ اگر امریکہ کے دباؤ میں آکر ایٹمی دھماکہ نہ کیا گیا تو امریکہ اور اس کے حواری مغربی ممالک سے ہمیں "مونگ پھلی" اور "لالی پاپ" تو مل جائیں گے' اور بظاہر یہ دور اندیشی اور عافیت کا راستہ نظر آتا ہے' لیکن دھماکہ نہ کرنے کے منطقی نتائج بہت خوفناک ہوں گے۔ پھر نیو ورلڈ آرڈر کے مذموم عزائم کی تکمیل یعنی چین کی ناکہ بندی اور گھیراؤ کی پالیسی میں پاکستان کو امریکی مہرے کا کردار ادا کرنا ہو گا۔ ملک کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ پاکستان کا نہ صرف اسلامی اور احیائی کردار ختم ہو جائے گا بلکہ پاکستان کے خلاف عالمی طاقتوں کی سازش کی تکمیل کے طور پر ملک کے مزید حصے بخرے ہونے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ایٹمی دھماکہ کرنے کے بارے میں قومی سطح پر بے مثال اور عظیم تر اتفاق رائے اور غیر معمولی کامل یکجہتی پائی جاتی ہے۔ پاکستان کا ایٹمی دھماکہ درحقیقت عالمی دباؤ کو مسترد کرنے کے مترادف ہو گا۔ لہٰذا اس کے لئے "ہمت مرداں" کے ساتھ "مدد خدا" بھی حاصل کی جائے۔ انہوں نے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے سے کہا کہ ایٹمی دھماکہ کے ضمن میں امریکی دباؤ کو مسترد کرنے کے بعد نفاذ اسلام کے سلسلے میں بھی ہر قسم کے امریکی دباؤ کو مسترد کرنا آسان ہو گا۔ ایٹمی دھماکہ کے حوالے سے مذہبی اور سیاسی جماعتیں حکومت پر اپنا دباؤ بڑھائیں تاکہ حکومت عالمی طاقتوں کے مجوزہ دباؤ کا مقابلہ کر سکے۔ انہوں نے مذہبی سیاسی جماعتوں کے قائدین سے کہا کہ قوم و ملک کو درپیش نازک صورتحال میں محض قومی غیرت و حمیت کے جذبے کی دہائی دینے کی بجائے ملک کی نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے قرآن و سنت کی بالادستی کے قیام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل کرنے کے لئے بھی لائحہ عمل تشکیل دیں۔ ایٹمی دھماکہ کے بعد ممکنہ پابندیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے قوم کو پیٹ پر پتھر باندھنے ہوں گے۔ انہوں نے تجویز دی کہ معاشی پابندیاں عائد ہونے کی صورت میں ہر قسم کے بیرونی قرضوں کی ادائیگی بند کر دی جائے۔ اس طرح ملک کو کسی قسم کی غیر ملکی امداد کی ضرورت نہیں رہے گی۔

تصادم کا مرحلۂ ثانی

لائبریری
قرآن اکیڈمی کراچی

اِقدام اور چیلنج

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد
(مرتّب : شیخ جمیل الرحمٰن)

صبرِ محض (Passive Resistance) کے مرحلہ پر اگرچہ انقلابی جماعت کے کارکنوں کو سخت قسم کے تشدد کا نشانہ بننا پڑتا ہے' تاہم انقلابی عمل کے لئے یہ مرحلہ نہایت اہم ہے' کیونکہ اس دوران ان کی مظلومیت کی وجہ سے معاشرے کی خاموش اکثریت (Silent Majority) کی ہمدردیاں رفتہ رفتہ اس انقلابی گروہ کے ساتھ ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف خود انقلابی گروہ کو مہلت مل جاتی ہے جس میں انہیں نظم کی پابندی کا خوگر بنایا جاتا ہے اور ان کی تربیت کی جاتی ہے کہ وہ بلاچون وچرا اطاعتِ امیر کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد جب انقلابی جماعت یہ محسوس کرے کہ اب ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ ہم اس باطل و فاسد' ظالم واستحصالی اور غلط نظام کے خلاف راست اِقدام کرسکتے ہیں تو اب صبرِ محض کا مرحلہ راست اِقدام میں تحویل ہو جائے گا۔

سورۂ آل عمران کی آخری آیت میں امر کے صیغہ میں فرمایا گیا ہے : ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا﴾ "اے ایمان والو! صبر سے کام لو' باطل کے علمبرداروں کے مقابلہ میں پامردی اور استقامت و ثبات کا مظاہرہ کرو' حق کا بول بالا کرنے کے لئے کمربستہ ہو جاؤ"۔ یہاں ایک لفظ "صبر" اور دوسرا "مصابرہ" آیا ہے۔ "مصابرت" کا لفظ قرآن مجید مدنی دَور میں استعمال کر رہا ہے' جبکہ مکی دور میں ہمیں قرآن میں صرف صبر کا لفظ ملتا ہے۔ حضور ﷺ کو خطاب کرکے متعدد سورتوں میں مختلف اسالیب

میں بار بار صبر کی تاکید کی گئی۔ مثلاً : ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ (الاحقاف) ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (ہود) ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ (الطور) ﴿وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا﴾ (المزمل) چنانچہ حضور ﷺ صبر کی اسی تاکید کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جانب منتقل فرماتے رہے۔ آلِ یاسر رضی اللہ عنہم سے فرمایا : ((اِصْبِرُوا یَا آلَ یَاسِر فَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ)) "اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو' برداشت کرو! اس لئے کہ تمہارے وعدہ کی جگہ جنت ہے"۔

مکی دَور میں جو سورتیں اور آیات نازل ہوئیں ان میں بار بار صبر کی تاکید ہے کہ جھیلو! برداشت کرو! ـــــ اور یہ صبر یک طرفہ ہو رہا ہے۔ ابھی اہل ایمان پر ستم ڈھائے جا رہے ہیں اور وہ جھیل رہے ہیں۔ انہیں تشدد و مظالم کا ہدف بنایا جا رہا ہے اور وہ برداشت کر رہے ہیں اور کوئی بھی اپنے دفاع میں ہاتھ تک نہیں اٹھا رہا۔ اس لئے کہ ابھی اس کی اجازت نہیں تھی۔ مکی دَور میں قرآن مجید میں صرف "صبر" کا لفظ ملے گا' جو یک طرفہ عمل ہے۔ جبکہ مدنی دَور میں یہ لفظ کچھ بدلی ہوئی شکل میں سامنے آتا ہے۔ اب مصابرہ یا مصابرت کا حکم آتا ہے۔ یہ لفظ باب مفاعلہ سے بنا ہے اور اس باب کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں آمنے سامنے دو فریق ہونے لازمی ہیں۔ گویا "مصابرہ" کے معنی ہوں گے صبر کا صبر سے ٹکراؤ۔ یعنی وہ اگر تم پر زیادتیاں کر رہے ہیں تو اب تم بھی ان کے خلاف اِقدام کرو۔ معلوم ہوا کہ اب دو طرفہ صبر کا مظاہرہ ہو گا۔ مشرکین کو بھی جھیلنا پڑے گا' انہیں بھی جان کی بازیاں کھیلنی ہوں گی۔ اگر وہ اپنے باطل نظریہ اور فاسد نظام کا تحفظ چاہتے ہیں تو انہیں بھی قربانیاں دینی پڑیں گی۔ "مصابرہ" اسی عمل کا نام ہے کہ صبر کا صبر سے ٹکراؤ اور مقابلہ ہو۔ جس فریق میں قوتِ صبر یعنی برداشت کی طاقت زیادہ ہو گی بازی اس کے حق میں جائے گی۔ اب اسی مرحلے پر معلوم ہو گا کہ اہل حق اور اہل باطل میں سے کون سا فریق زیادہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کر سکتا ہے' کون اپنے مشن (Cause) کے لئے کتنی قربانیاں دے سکتا ہے!۔ صبر جب مصابرت میں بدلتا ہے تو یہ درحقیقت صبر محض (Passive Resistance) کا اِقدام (Active Resistance) میں تبدیل ہو

جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جہاد قتال کے مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

موضوع کی اہمیت

انقلابی جدوجہد کا یہ مرحلہ انتہائی اہم ہے' یہ درحقیقت حضور ﷺ کی سیرت کا ایک نہایت نازک موڑ اور لمحہ (Critical Moment) ہے کہ نہج تبدیل ہو رہا ہے' صبرِ محض کی پالیسی ترک کر کے اِقدام کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین نے اس کو تضاد قرار دے کر اس کا محاکمہ کیا ہے اور اس ظاہری تضاد کو کافی نمایاں کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر منٹگمری وہاٹ نے سیرت مبارکہ پر دو علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کا نام "Mohammad at Makka" اور دوسری کا نام "Mohammad at Madina" ہے۔ اُس نے گویا یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مکّہ والے محمّد (ﷺ) دراصل مدینہ والے محمّد (ﷺ) سے مختلف ہیں۔ اس کے نزدیک مکّہ والے محمّد ایک داعی ہیں' مبلّغ ہیں' مزکّی ہیں' مربّی ہیں۔ غرضیکہ ان حضرات کو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے اندر نبوت کے جو اوصاف نظر آتے ہیں وہ مکی دَور کی حد تک حضورؐ میں بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن مدینہ میں نقشہ کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ وہاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ آپؐ فوج کے سپہ سالار اور جرنیل ہیں' آپؐ مدینہ کی ریاست کے سربراہ ہیں۔ آپؐ ہی چیف جسٹس کا رول ادا کر رہے ہیں۔ دوسری اقوام سے معاہدے کر رہے ہیں۔ گویا مدینہ میں محمّد ﷺ ایک مدبّر سیاست دان کے روپ میں نظر آ رہے ہیں ـــــ مسٹر ٹائن بی (Toyn Bee) کہتا ہے :

"Muhammad (ﷺ) failed as a Prophet but succeeded as a statesman"

یعنی "محمّد (ﷺ) بحیثیت نبی تو ناکام ہو گئے' لیکن ایک سیاستدان کی حیثیت سے کامیاب رہے" (نعوذ باللہ من ذلک)

گویا منٹگمری وہاٹ کو بھی یہ پورا فکر اسی بات سے ملا ہے۔ یعنی انہیں مکّہ والے محمّد ﷺ میں تو نبوت کی شان نظر آ رہی ہے۔ اس لئے کہ اُن کے اذہان میں نبیوں کی جو تصویر ہے (مثلاً حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام) وہی تصویر اُن کو محمّد رسول اللہ ﷺ کی مکّہ میں نظر آ

رہی ہے۔ لیکن مدینہ میں سیرتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا جو نقشہ ان کو نظر آتا ہے وہ ان کے خیال کے مطابق نبوت والا معاملہ نہیں ہے۔ وہاں تو ان لوگوں کو نبی اکرم ﷺ بحیثیت ایک سیاست دان و مدبّر' ایک سربراہ مملکت اور ایک جرنیل کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ آخر یہ منہج عمل کیسے تبدیل ہوا ہے! وہ تحویلی مرحلہ (Transitory Phase) کب آیا اور کیسے آیا! اور محمد ﷺ نے نظام باطل کے خلاف راست اِقدام کیسے کیا تھا!!

اِقدام کے فیصلے کی اہمیت اور نزاکت

کسی انقلاب کے لئے راست اِقدام (Active Resistance) کا فیصلہ بہت اہم اور نازک (Crucial + Critical) ہوتا ہے۔ اگر راست اِقدام کا فیصلہ قبل از وقت ہو جائے گا تو دُنیوی اعتبار سے انقلاب ناکام ہو جائے گا۔ اگر تعداد معتدبہ نہیں ہے' اگر تربیت خام رہ گئی ہے تو دُنیوی ناکامی کا سامنا ہو گا۔ جیسے کُشتہ میں اگر یک آنچ کی کسر رہ گئی تو بعض اوقات یہی ذرا سی آنچ کی کسر تباہ کن ہو جاتی ہے اور وہ کشتہ مقوئ جسم و جاں بننے کی بجائے ہلاکت کا باعث بن سکتا ہے۔ اسی طرح اگر تربیت میں خامی اور کمی رہ گئی اور قبل از وقت اِقدام کر دیا گیا تو ناکامی ہو جائے گی' خواہ خلوص و اخلاص کا کتنا ہی ذخیرہ اس جدوجہد کے پیچھے موجود ہو۔ لہٰذا یہ بڑا نازک لمحہ ہوتا ہے اور اس کے صحیح یا غلط ہونے پر انقلاب کے کامیاب یا ناکام ہونے کا دارومدار ہوتا ہے۔

انبیاء و رُسل کا خصوصی معاملہ

جہاں تک جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء و رُسل کا معاملہ ہے' یہ فیصلے درحقیقت اللہ کی طرف سے وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے سے ہوتے تھے' یا اگر رسولؐ اجتہادی طور پر کوئی قدم اٹھاتے تھے تو اللہ کی طرف سے اس کی تصویب یا اصلاح ہو جاتی تھی۔ لیکن اگر وحی کے ذریعے نہ تصویب ہوئی ہو نہ اصلاح تو گویا رسول کے اس اجتہادی فیصلہ کو اللہ کی طرف سے خاموش توثیق حاصل ہو گئی۔ لہٰذا اس معاملہ میں رسولؐ تو محفوظ و مامون اور معصوم ہیں ـــــ اس ضمن میں حضور ﷺ کی سیرت مطہرہ میں ہمیں سفرِ

طائف کی مثال ملتی ہے' جو حضورؐ کا ایک اجتہادی فیصلہ تھا۔ سن دس نبویؐ میں جب مکہ میں مشرکین نے دارالندوہ میں حضورؐ کے قتل کا فیصلہ کرلیا تھا تو حضورؐ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا۔ اس فیصلہ کی تصویب یا اصلاح وحی کے ذریعے نہیں ہوئی ـــــ گویا اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ طائف والے بھی ہمارے رسول (ﷺ) کے صبر و ثبات اور عزیمت کی خوب اچھی طرح جانچ پرکھ کرلیں۔ چنانچہ طائف میں ایک دن میں رحمۃ للعالمین ﷺ کے ساتھ وہ سلوک ہوا جو مکی زندگی کے دس برس میں نہیں ہوا۔ جس کو بیان کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے اور جس کو پڑھتے ہوئے دل کانپ جاتا ہے۔ وہاں دعوتی اعتبار سے حضور ﷺ کے لئے کامیابی کی کوئی صورت نہ بن سکی۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ بات طے شدہ تھی کہ "مدینۃ النبی" بننے کی سعادت یثرب کے حصے میں آنے والی ہے' یہ سعادت طائف کے نصیب میں نہیں تھی۔ حالانکہ غور کیجئے کہ طائف میں دعوت و تبلیغ کے لئے حضور ﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے' لیکن وہاں سے ناکام لوٹنا پڑا اور دوسری جانب صورت یہ ہے کہ آپؐ مکہ میں مقیم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے یثرب کے لئے کھڑکی کھول دی' جہاں سے آکر اولاً چھ اور بعد ازاں ۷۵ افراد نے آپؐ سے بیعت کر کے اسلام قبول کیا۔

گویا یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ دارالہجرت یثرب کو بننا ہے' طائف کو نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قدم قدم پر نبی اکرم ﷺ کی وحی متلو (یعنی قرآن مجید) اور وحی غیر متلو (یعنی کشف' القاء' الہام اور رویائے صادقہ) کے ذریعے رہنمائی فرما رہا ہے۔ حضورؐ کے کسی اجتہادی عمل پر خاموشی ہے تو یہ گویا اللہ کی طرف سے اس کی توثیق و تائید ہے ـــــ لیکن مابعد کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ نبوت و رسالت کا اتمام و اکمال حضورؐ کی ذات پر ہو گیا۔ اب تاقیام قیامت کسی نوع کا نبی نہیں آئے گا۔ لہٰذا اس کے بعد جو بھی اسلامی احیائی تحریکیں اٹھی ہیں یا اٹھیں گی' ظاہر بات ہے کہ ان کی قیادت انبیاء و رُسل کے ہاتھوں میں نہ رہی ہے نہ رہے گی' بلکہ قیادت کی یہ ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کے کسی اُمتی ہی نے ادا کی ہے اور آئندہ بھی یہ کام کسی امتی ہی کے ذریعے ہو گا۔ اور کوئی امتی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے' معصومیت خاصۂ نبوت ہے۔ نبوت ختم ہوئی تو معصومیت

بھی ختم ہوئی۔ حضور ﷺ جہاں خاتم النبیین ہیں وہاں خاتم المعصومین بھی ہیں ـــــ شیعہ مکتب فکر کا معاملہ بالکل علیحدہ ہے کہ وہ بزعم خویش جن اماموں کو مامور من اللہ مانتے ہیں ان کو معصوم عن الخطا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس امکان کو اپنے ذہن سے بالکل محو کر دیجئے اور جان لیجئے کہ اب تجدید دین اور احیاء اسلام کی جو تحریک بھی برپا ہوگی' اس کے ہر مرحلہ کا معاملہ اجتہادی ہوگا اور اس اجتہاد میں خطا کا امکان رہے گا۔ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ خطا کا امکان نہیں ہے۔ جس نے یہ دعویٰ کیا وہ اہل سنت والجماعت کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔

تحریکِ شہیدینؒ کی مثال

برِعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ میں "تحریک شہیدین" کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دورِ صحابہ ﷺ کے بعد' ایک خالص اسلامی تحریک ہونے کے اعتبار سے' تحریک شہیدین کے ہم پلہ کوئی دوسری تحریک نظر نہیں آتی۔ اس تحریک کے قائد سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ تقویٰ' تدیّن اور خلوص و اخلاص کا اتنا بڑا سرمایہ دورِ صحابہؓ کے بعد اسلامی تاریخ میں کہیں اور نظر نہیں آتا۔ انفرادی سطح پر بڑی بڑی عظیم شخصیتیں ہر دور میں نظر آتی ہیں۔ مجددینِ اُمت ہیں' ائمۂ اُمت ہیں' محدثین کرام ہیں' فقہاءِ عظام ہیں۔ انفرادی سطح پر علم' تقویٰ' تدین اور خلوص و اخلاص کے اعتبار سے ان میں سے ہر شخص کوہ ہمالیہ نظر آتا ہے لیکن اجتماعی سطح پر' ایک گروہ اور ایک جماعت کی صورت میں' اتنے متقی و متدین حضرات اور اتنا خالص اسلامی جہاد بالسیف دورِ صحابہؓ کے بعد کہیں اور نظر نہیں آتا' واللہ اعلم۔ لیکن وہاں بھی ایک اجتہادی خطا ہو گئی اور قبل از وقت اِقدام ہو گیا۔

حضرت سید احمد بریلویؒ نے اپنے ان ساتھیوں کی بھرپور تربیت کی تھی جن کو ساتھ لے کر وہ سرحد کے علاقہ میں پہنچے تھے۔ لیکن ان کی اصل جدوجہد پشاور اور مردان کے اضلاع سے شروع ہوئی تھی ـــــ وہاں جا کر اِقدام سے پہلے وہاں کے مقامی باشندوں

کی تربیت کی بھی ضرورت تھی۔ یا تو وہاں کے تمام خوانین اور رعایا سید صاحب رحمہ اللہ کو قطعی طور پر اپنا امیر تسلیم کر لیتے اور ان کے ہاتھ پر بیعت سمع وطاعت اور جہاد کر لیتے' تب بھی کوئی مضبوط اساس قائم ہو جاتی' لیکن ایسا نہیں ہوا۔ البتہ ایک یا دو قبیلوں کے خوانین نے بیعت کر لی تھی جو کافی نہیں تھی۔ ہوا یہ کہ مقامی لوگوں کی تربیت سے پہلے اور وہاں اپنے آپ کو مستحکم (Consolidate) کرنے سے پہلے' ایک طرف سکھوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ دوسری طرف اسلامی شریعت کی حدود و تعزیرات نافذ کر دی گئیں' جو مقامی لوگوں کے لئے بڑی شاق تھیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ ایک مدت سے دین کے صحیح و حقیقی علم سے ناواقف تھے' اور اگرچہ وہ مسلمان تھے لیکن ان میں سے اکثر حقیقی ایمان کے لذت آشنا نہیں تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت نے سید صاحب کے خلاف سازشیں کیں' آپ کو زہر دیا گیا' مجاہدین کے کیمپوں پر شب خون مارا گیا اور بے شمار مجاہدین کو شہید کر دیا گیا۔ آپؒ کے خلاف مخبری کی گئی اور سکھوں کو مجاہدین کے لشکر کی نقل و حرکت اور اس کی قوت و وسائل کی خبریں پہنچائی گئیں۔ الغرض مقامی لوگوں کی اکثریت کی ناپختہ سیرت و کردار اور عدم تربیت کے باعث یہ عظیم اسلامی تحریک دُنیوی اعتبار سے ناکام ہو گئی۔

تحریک شہیدینؒ کی مثال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلامی انقلاب کے لئے تربیت کی کیا اہمیت ہے اور اِقدام کے مرحلے کے لئے صحیح وقت کا تعین کیا اہمیت رکھتا ہے! سید صاحب کا حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے مقامی لوگوں کو سچا اور پکا مسلمان سمجھ کر اِقدام کرنا اور سکھوں سے جنگ کا سلسلہ شروع کر دینا خطأ اجتہادی ہے اور اہل سنت کے نزدیک خطأ اجتہادی پر بھی آخرت کا اجر محفوظ رہتا ہے۔ ایک انسان اپنی امکانی حد تک غور کرنے کے بعد اپنی رائے میں صحیح فیصلہ کر رہا ہے' اس نے سوچ بچار اور غور و تدبر میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور اس کے بعد اس نے اِقدام کیا ہے تو اس کا اور اس کے ساتھیوں کا اُخروی اجر و ثواب بالکل محفوظ ہے' اس میں قطعاً کوئی کمی نہیں ہو گی' لیکن دُنیوی اعتبار سے وہ جدوجہد اور وہ تحریک ناکام ہو جائے گی۔ یہ بات نہ صرف ماضی بلکہ آئندہ کے لئے بھی ہے۔ بہرحال کسی تحریک میں وہ وقت آتا ہے کہ جب اس کے قائد کو

"اِقدام" کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہوگا کہ پوری طرح سوچ بچار کر کے حدِ استعداد کے مطابق حالات کا پورا جائزہ لے کر اور اپنی جمعیت کی تعداد اور اس کی تربیت کو پوری طرح تول کر اِقدام کا فیصلہ کیا جائے اور اس میں بھی اس کا تمام تر توکّل اللہ ہی کی ذات پر ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی اصل حامی و ناصر ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازوِ نیست!
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن تحریک کا قائد اور اس کے ساتھی ذہناً اس کے لئے تیار رہیں کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی خطا ہو جائے۔ اس لئے کہ اب کوئی نبی نہیں ہے' لہٰذا کوئی معصوم نہیں ہے۔

سیرتِ مطہرہ میں اِقدام کا مرحلہ کب آیا

سیرتِ مطہرہ میں راست اِقدام بالفاظِ دیگر نظامِ باطل کو چیلنج کرنے کا جو مرحلہ آیا ہے اس کا تعلق ہجرت کے متصلاً بعد کے زمانے سے ہے۔ یعنی جیسے ہی ہجرت ہوئی اور حضور ﷺ مکّہ کو خیرباد فرما کر عازمِ مدینہ ہوئے اسی لمحے یہ مرحلہ شروع ہو گیا۔ اس مرحلہ کے لئے قرآن مجید میں متعلقہ آیات سورۃ الحج کی ہیں۔ آیت ۳۹ میں فرمایا : ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ ۝﴾ یہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے قتال کا اِذن عام تھا۔ اب تک انہیں حکم تھا کہ ہاتھ بندھے رکھیں' لیکن اب ان کے ہاتھ کھول دیئے گئے کہ اب انہیں بھی جنگ کی اجازت ہے۔ یہ آیات اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئیں۔ سفر میں کم از کم ۲۰ دن لگے ہیں اور ۱۲/ ربیع الاول ۱ھ کو حضورؐ کا مدینہ منورہ میں ورودِ مسعود ہوا ہے۔ اس اعتبار سے ۱۲/ ربیع الاول کی تاریخ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ یہی حضور ﷺ کی تاریخ وفات ہے۔

اب سورۃ الحج کی آیت ۴۱ ملاحظہ ہو :

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ' وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں تمکن و اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم

کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"

اس آیت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم کو جو تمکّن فی الارض عطا کیا جانے والا تھا اور اس میں جو توسیع ہونے والی تھی اس کے پیش نظر یہ آیت گویا حزب اللہ اور اسلامی انقلاب کے منشور (Manifesto) کی حیثیت رکھتی ہے۔ جیسے آج کل کوئی سیاسی جماعت الیکشن میں حصہ لیتی ہے تو اپنا ایک منشور شائع کرتی ہے کہ اگر ہمیں اقتدار حاصل ہو جائے گا تو ہم کیا کریں گے اور ہمارا رویہ کیا ہو گا۔ یہاں یہ Divine Manifesto نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیا جا رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ مدینہ تشریف لے جا رہے ہیں' جہاں آپؐ کا داخلہ ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے ہو گا۔ تو آپؐ کے اور آپؐ کے صحابہؓ کے لئے یہ منشور ہے جسے وہاں زُوبعمل لایا جائے گا۔

نبی اکرم ﷺ کا مدینہ منورہ میں ۱۲/ ربیع الاول ۱ھ کو ورودِ مسعود ہوا۔ چھ مہینے تک تو حضورؐ نے نہ کوئی جوابی کارروائی فرمائی نہ مکّہ کی طرف کوئی اِقدام کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حالات ایسے بنا دیئے تھے کہ حضورؐ کو خود مدینہ آنے کی دعوت ملی تھی۔ یہاں آکر آپؐ کو دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں زیادہ وقت لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے دو بڑے قبیلے آباد تھے۔ دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار اور رؤساء رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے اور ان میں سے اکثریت بیعتِ عقبہ ثانیہ کے وقت موجود تھی اور حضورؐ کے دستِ مبارک پر دو سال قبل بیعت کر چکی تھی۔ لہٰذا آپؐ نے استحکام کے لئے چھ ماہ صرف فرمائے ہیں اور اس عرصہ میں کئے جانے والے تین اِقدامات بہت اہم ہیں۔

مدینہ میں حضورؐ کے اِقدامات بغرض استحکام

۱) مسجد نبویؐ کی تعمیر: پہلا فوری اِقدام اقامتِ صلوٰۃ سے متعلق تھا۔ اس لئے کہ منشورِ الٰہی کی پہلی شق یہی ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے پہلا کام جو کیا وہ مسجد نبوی کی تعمیر تھا۔ اس

کے لئے جگہ کا انتخاب کیا گیا' پھر اس کے حصول کے بعد تعمیر کا آغاز کر دیا گیا۔ اس تعمیر کا یہ پہلو قابل غور ہے کہ حضور ﷺ اس میں بنفس نفیس شریک رہے ہیں۔ آپؐ نے ایک مزدور اور کارکن کی حیثیت سے مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حصہ لے کر اپنے آباء و اجداد کی سُنّت کی تجدید فرمائی۔ سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانے کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے : ﴿ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ﴾ بیت اللہ کی دیواریں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے اٹھائی تھیں تو مسجدِ نبویؐ کی تعمیر میں محمد رسول اللہ ﷺ کی توانائیاں اور آپؐ کی محنت کا پسینہ شامل تھا۔

ii) مواخات : دوسرا اِقدام جو آپؐ نے فرمایا اس کا عنوان مواخات ہے۔ یہ بہت بڑا کام تھا۔ مہاجرین کو مدینہ کی آبادی میں مدغم اور ضم (Integrate) کرنا' تاکہ وہ اس معاشرہ میں علیحدہ طبقہ کی حیثیت سے نہ رہ جائیں بلکہ اس کا ایک جزوِ لاینفک بن جائیں۔ چنانچہ مہاجرین میں جو اہم لوگ تھے ان کے بالکل سگے بھائیوں کی طرح انصار کے ساتھ رشتے کرا دیئے گئے۔ مواخات کا یہ اِقدام داخلی استحکام کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ مواخات کا یہ معاملہ سیرتِ مطہرہ کے ابواب میں ایک نہایت اہم باب ہے اور معلوم تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے نتیجے میں انصار نے مہاجرین کے لئے اپنے گھر اور دوکانیں تقسیم کر دیں۔ ایک انصاری صحابیؓ کے بارے میں یہاں تک آتا ہے کہ ان کی دو بیویاں تھیں۔ وہ اپنے مہاجر بھائی کو گھر میں لے گئے۔ چونکہ اُس وقت تک حجاب کا حکم نہیں آیا تھا لہٰذا انہوں نے پیشکش کی کہ ان دونوں میں سے جو آپ کو پسند ہو میں اسے طلاق دیتا ہوں' آپ اس سے نکاح کر لیں۔ اس لئے کہ میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ میرے گھر میں دو بیویاں ہوں اور میرے بھائی کا گھر آباد نہ ہو۔

یہ مواخات بھی نہایت انقلابی اہمیت کا حامل اِقدام ہے۔ اس لئے کہ انسان کی سرشت کے اندر جو کمزوریاں ہیں اس میں طبقاتی تفاوت و امتیاز اور کشمکش بہت خوفناک ہوتی ہے۔ اوس و خزرج میں قبائلی و طبقاتی کشمکش اور عصبیت پہلے سے موجود تھی۔ لیکن اسلام اور پھر رسول اللہ ﷺ کے بنفس نفیس ورودِ سعید نے اس کو ختم کیا۔ لیکن اس کے

باوجود کچھ عرصہ بعد ہی منافقین اور یہود کسی نہ کسی بہانہ سے اس چنگاری کو بھڑکانے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ اگر مہاجرین اور انصار کا اس طرح ادغام و انضمام نہ کر دیا گیا ہوتا اور ان کے مابین مواخات قائم نہ کر دی گئی ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ بہت سی داخلی مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ منافقین اور یہود نے اس کی موقع بموقع کوششیں کیں، لیکن نبی اکرم ﷺ کی فراست، تدبّر، معاملہ فہمی اور حکمت نے ایسی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

iii) یہودی قبائل سے معاہدے : تیسرا اِقدام جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں استحکام کے لئے فرمایا وہ یہودیوں کے ساتھ معاہدوں سے متعلق تھا، جن کے تین قبیلے مدینہ میں آباد تھے اور وہ بہت اہم، با اثر اور طاقتور تھے۔ مدینہ کے اقتصادی شعبہ پر ان کا بڑا تسلط (Hold) تھا۔ ان کی قلعہ نما گڑھیاں تھیں، جن میں کافی اسلحہ اور ساز و سامان تھا۔ اگرچہ یہود اصل مالکانِ دِہ کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، مالکانِ دِہ تو اوس و خزرج تھے، لیکن سرمایہ، تنظیم اور تعلیم، یہ چیزیں یہود میں بہت زیادہ تھیں اور وہ بہت مؤثر عامل کی حیثیت سے وہاں موجود تھے۔ حضور ﷺ کی دُور اندیشی کا یہ شاہکار ہے کہ آپؐ نے مدینہ تشریف لے جاتے ہی فوراً یہود کے تینوں قبیلوں کو معاہدوں میں جکڑ لیا۔ ان سے معاہدہ میں طے پا گیا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے، ان کے تمام شہری حقوق محفوظ رہیں گے، اور اگر کبھی مدینے پر کسی طرف سے حملہ ہوا تو وہ مسلمانوں کے حلیف کی حیثیت سے ان کا ساتھ دیں گے یا بالکل غیر جانب دار رہیں گے۔ وہ اس معاہدے میں ایسے بندھ گئے کہ وہ کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں آسکے۔ اگرچہ بعد میں اسلام کی اشاعت اور استحکام کو دیکھ کر وہ انگاروں پر لوٹتے رہے اور مشرکینِ قریش سے ساز باز کر کے پس پردہ ریشہ دوانیاں کرتے رہے لیکن یہ سب کچھ چوری چوری ہو رہا تھا، وہ علی الاعلان مقابلہ میں نہیں آسکتے تھے۔ مختصراً یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کے تینوں قبیلوں کو معاہدوں کا پابند بنانے کے لئے جو اِقدام فرمایا وہ ہر لحاظ سے دُور اندیشی اور فراست و ذہانت کا ایک شاہکار تھا۔ اس اِقدام نے اسلامی تاریخ میں نہایت اہم اور مثبت کردار ادا کیا ہے۔

راست اقدام کا مرحلہ

ربیع الاول سے لے کر رمضان ۱ھ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے کوئی مہم مدینہ منورہ سے باہر نہیں بھیجی۔ یہ چھ مہینے آپؐ نے مدینہ میں اپنی پوزیشن کو مستحکم کرنے اور ہجرت کی وجہ سے اسلامی انقلابی جماعت کے جو دو عناصر وجود میں آگئے تھے، یعنی مہاجرین و انصار، ان کو باہم شیر و شکر کرنے اور بنیان مرصوص بنانے میں صرف فرمائے۔ اس کے بعد راست اقدام کا مرحلہ شروع ہوتا ہے ——— وہ مرحلہ کیا ہے؟ اس کو صرف تاریخی اعتبار سے سمجھنے کے بجائے نبی اکرم ﷺ کے منہاج انقلاب کے نقطۂ نظر سے سمجھنا چاہئے۔ حضور ﷺ نے آٹھ فوجی مہمات مکّہ کی طرف روانہ فرمائیں، جن میں سے چار میں حضور ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے۔ لہٰذا انہیں غزوات کہا جاتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ وہ غزوات ہیں جو غزوۂ بدر سے پہلے کے ہیں۔ عام طور پر ہمارا تصور اور تاثر یہ ہے کہ پہلا غزوہ غزوۂ بدر ہے۔ پہلی باقاعدہ جنگ یقیناً غزوۂ بدر ہے۔ غَزَا یَغْزُو عربی میں اللہ کی راہ میں نکلنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً غزوہ خاص ہو گیا اس مہم کے لئے جس میں نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس نکلے ہوں۔ تو ابتدائی چھ ماہ کے بعد چار فوجی مہمات وہ ہیں جن میں حضور ﷺ خود مدینہ سے باہر نکلے، جبکہ چار سرایا ہیں۔ سریہ اُس فوجی مہم کو کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے کوئی مہم بھیجی یا کوئی لشکر روانہ فرمایا اور کسی صحابیؓ کو اس کا سربراہ یا سپہ سالار مقرر فرما دیا، آپؐ خود اس میں شامل نہیں ہوئے۔ ان آٹھ مہموں کے حالات و واقعات کو ہمارے اکثر سیرت نگار اور مورخین نے بمشکل تمام دو یا تین صفحات میں سمیٹ لیا اور اس میں بھی نہایت ایجاز و اجمال سے کام لیا۔ حالانکہ یہ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کا وہ اہم اور نازک مرحلہ ہے جس میں اقدام اور پیش قدمی اب حضور ﷺ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ یا بالفاظِ دیگر صبر محض (Passive Resistance) اب "راست اقدام" (Active Resistance) میں تبدیل ہو رہا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس راست اقدام کی نوعیت تھی کیا؟ اصل میں رسول اللہ ﷺ نے مکّہ کے خلاف جو اقدام کیا اس کے دو مقصد سامنے آتے ہیں۔ جدید اصطلاحات کے

حوالہ سے پہلا نکتہ کا Economic Blockade یعنی معاشی ناکہ بندی ہے۔ اہل نکتہ اور قریش کی معاشی زندگی کا دارومدار تجارت پر تھا۔ نکتہ کا اپنا حال بالفاظِ قرآن : "بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" تھا۔ وہاں کسی نوع کی پیداوار نہیں ہوتی تھی۔ وہ تو کھانے پینے کی چیزوں کے لئے باہر کی منڈیوں کے محتاج تھے۔ وہاں ایک دانہ تک نہیں اُگتا تھا۔ البتہ ان کے ہاں بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے' جن کا دودھ اور گوشت انہیں حاصل تھا۔ لہٰذا ان کی معیشت کا سارا دارومدار تجارت پر تھا' اور اُس دَور کی مشرقی اور مغربی ملکوں کے مابین تجارت میں قریش کو ایک اہم کڑی اور واسطہ (Link) کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ غور کیجئے کہ آج کل نہر سوئیز کی کتنی اہمیت ہے۔ اگر یہ کچھ عرصہ کے لئے بند ہو جائے تو تجارت کا کیا حال ہو جائے گا؟ اگرچہ دوسرے راستے موجود ہیں جو بہت طویل ہیں۔ لیکن آپ اُس زمانے کا تصور کیجئے جس زمانہ میں اور کوئی راستہ تھا ہی نہیں۔ جنوبی افریقہ سے ہندوستان اور مشرقی ایشیا کے بحری راستے تو پندرھویں صدی عیسوی میں دریافت ہوئے ہیں۔ لہٰذا مشرق و مغرب کی تجارت حضورؐ کی بعثت کے دَور میں عرب کے راستہ سے ہوتی تھی۔ ہوتا یہ تھا کہ ہندوستان' انڈونیشیا' ملائیشیا اور دوسرے مشرقی ممالک کا سارا سامان تجارت بڑی بڑی کشتیوں کے ذریعے یمن کے ساحل تک پہنچتا تھا۔ اُدھر مغرب کے ممالک یعنی یونان' اٹلی اور بلقان کی ریاستوں کا سارا سامان تجارت شام کے ساحلوں پر اتر جاتا تھا۔ اس طرح یورپ کے ممالک کا سامان تجارت بحیرۂ روم سے ہو کر اِدھر پہنچتا تھا اور اِدھر بحیرۂ عرب اور بحیرۂ ہند سے ہو کر مشرقی ممالک و جزائر کا سامان تجارت یمن پہنچ جاتا تھا۔ اب ان کے مابین کاروبار کی جو ساری نقل و حمل (Transfer and Transport) تھی وہ صرف قریش کے ہاتھ میں تھی' جس کا قرآن مجید میں سورۂ قریش میں بڑے اہتمام سے ذکر فرمایا گیا ہے : ﴿لِإِيلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝﴾ ـــــ ان کے قافلے سردیوں میں یمن کی طرف جاتے تھے اور گرمیوں میں شمال یعنی شام کے ساحلوں کی طرف سفر کرتے تھے۔ ایک بڑا تجارتی سفر سردیوں میں اور ایک بڑا تجارتی سفر گرمیوں میں ان کے معمولات میں شامل تھا اور انہیں ان دونوں اَسفار میں مکمل امن حاصل رہتا تھا۔ جبکہ عرب کے دوسرے قبائل کو یہ امن میسر نہ تھا' بلکہ ان کے قافلے اکثر

لوٹ لئے جاتے تھے' کیونکہ عرب کے اکثر قبائل کا پیشہ ہی لوٹ مار' رہزنی اور غارت گری تھا۔ تو کسی اور قبیلہ کا قافلہ شاذ ہی لوٹ مار سے بچ کر نکلتا تھا' سوائے قریش کے' کہ ان کے قافلہ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ قریش کعبہ کے متولی تھے جسے تمام عرب اللہ کا گھر تسلیم کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ کعبہ میں جو تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے وہ سارے کے سارے قریش کے تو نہیں تھے۔ بلکہ صورت یہ تھی کہ تمام عرب قبائل کے "خدا" قریش کے پاس بطور "یرغمالی" رکھے ہوئے تھے۔ اگر ان کے قافلہ پر کوئی قبیلہ ہاتھ ڈالے تو قریش اس قبیلہ کے "خدا" کی گردن مروڑ سکتے تھے۔ یہ وجہ تھی کہ قریش کے قافلوں کو تحفظ حاصل تھا ـــــ سورۂ قریش میں آگے فرمایا گیا : ﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝﴾ (بدبختو! تمہیں اللہ کے اس گھر کی وجہ سے رزق مل رہا ہے اور تم نے اس کی حرمت کو بٹہ لگا رکھا ہے۔) تم پر تو لازم ہے کہ اس گھر کے مالک اللہ واحد کی عبادت کرو' جس نے تم کو بھوک سے نجات دلا رکھی ہے اور خوف سے محفوظ کر رکھا ہے۔

تو اس منظر کو سامنے رکھئے کہ مغرب و مشرق کی تجارت میں قریش کو بلا شرکتِ غیرے اجارہ داری حاصل تھی' اس وجہ سے کہ یہ کعبہ کے متولی تھے اور کعبہ میں تمام قبیلوں کے بُت رکھے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کے قافلوں پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ لیکن اب حضور ﷺ نے ان پر ہاتھ ڈالنا شروع فرمایا اور آپؐ نے اب ایک قوت ہونے کے اعتبار سے اپنی موجودگی ثابت فرمادی۔ حضورؐ کے اس اقدام کا ایک مقصد مکّہ کی معاشی ناکہ بندی تھا۔ حضورؐ نے درحقیقت قریش کی رگ جان (Life-line) پر ہاتھ ڈالا اور ان کے تجارتی قافلوں کے راستوں کو مخدوش بنا دیا۔ اس طرح ان کی معاش کے لئے ایک خطرہ پیدا فرمادیا۔ قریش کی معاشی ناکہ بندی کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کا دوسرا مقصد قریش کی سیاسی ناکہ بندی تھا' جس کو کہا جائے گا Isolation of Quresh ـــــ یا Political containment of Quresh۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس علاقے میں جو دوسرے قبیلے آباد تھے ان کے قریش سے معاہدے تھے اور وہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ حضور ﷺ نے اس علاقے میں متعدد

سفر کئے جن میں اپنی قوت کا مظاہرہ بھی فرمایا اور دعوت و تبلیغ کا کام بھی کیا۔ دونوں کام ساتھ ساتھ ہو رہے تھے۔ بقول اقبال ؎ عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد ـــــ تو تبلیغ و دعوت کے ساتھ طاقت بھی شامل ہو جائے تو اب یوں سمجھئے کہ جیسے سونے پر سہاگہ ہے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں جہاں ہجرت کا ذکر آ رہا ہے وہاں حضور ﷺ کو یہ دعا تلقین کی گئی تھی : ﴿ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ۝ ﴾ "اے اللہ! جہاں تو مجھے داخل کرنے والا ہے وہاں میرا داخلہ سچائی اور راست بازی کے ساتھ ہو اور جہاں سے تو مجھے نکال رہا ہے وہاں سے سچائی اور راست بازی کے ساتھ نکال' اور اپنے خاص خزانہ فضل سے قوت و طاقت کے ساتھ میری مدد فرما۔" یہ ہے وہ قوت اور طاقت جو حضورؐ کو مدینہ میں تشریف لانے کے بعد حاصل ہو گئی تھی ـــــ تو اب حضورؐ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکلتے تھے۔ کسی قبیلہ میں جا کر آپ نے دس بیس دن قیام فرمایا' ان کے ساتھ معاہدے کئے' اول تو ان کو اپنا حلیف بنا لیا ورنہ کم از کم انہیں غیر جانب دار ضرور بنا لیا کہ اگر تمہارا قریش کے ساتھ معاہدہ ہے تو ہمارے ساتھ بھی کرو' ہمارے خلاف ان کی مدد نہ کرو اور ان کے خلاف ہماری مدد نہ کرو' بالکل غیر جانب دار ہو جاؤ۔ یہ ہیں حضورؐ کے وہ اقدامات جن کو جدید اصطلاحات کے حوالے سے Isolation and Political containment of Quresh کہا جا سکتا ہے۔

ان مقاصد کے لئے چار سفر تو حضور ﷺ نے بنفس نفیس فرمائے اور چار مہمات ایسی روانہ کیں کہ جن میں آپ شریک نہیں تھے۔ یہاں دو باتیں خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہیں۔ ایک یہ کہ ان مہموں میں آپؐ نے کسی انصاری صحابیؓ کو شامل نہیں فرمایا۔ یہ جملہ مہمات مہاجرینؓ پر مشتمل تھیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر انصارؓ نے عرض کیا تھا کہ "آپؐ مدینہ تشریف لے آئیے۔ اگر قریش نے آپؐ کی وجہ سے مدینہ پر حملہ کیا تو ہم آپؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔" دوسری خاص بات یہ کہ کل ایک سال کے اندر یہ ساری کارروائی عمل میں آ گئی۔ یعنی رمضان ۱ھ سے لے کر رمضان ۲ھ تک کے عرصہ میں حضور ﷺ نے آٹھ

مہمات سرانجام دیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس قدر کم وقت میں کس قدر شدّ و مدّ اور زور و شور کے ساتھ یہ عمل ہوا۔ ایسا نہیں تھا کہ آپؐ نے بکتر بند گاڑیوں پر کوئی مہم بھیج دی ہو' بلکہ یہ تمام مہمات اونٹوں کے ذریعے یا پاپیادہ طے کی گئیں۔

تعجب ہوتا ہے کہ سیرت نگاروں نے غزوۂ بدر سے قبل کی ان مہموں کا بہت ہی سرسری طور پر ذکر کیا ہے اور اس مقام سے ایسے گزر گئے ہیں کہ جیسے یہ سیرت کے غیر اہم واقعات تھے۔ ان کے نزدیک ہجرت کے بعد پہلا قابل ذکر واقعہ غزوۂ بدر ہے' حالانکہ غور طلب بات یہ ہے کہ غزوۂ بدر ہوا کیوں؟ غزوۂ بدر سے تو اصل میں حضورؐ کی انقلابی جدوجہد چھٹے اور آخری مرحلے یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) میں داخل ہوئی ہے۔ لیکن Passive Resistance (یعنی صبر محض) نے ہجرت کے بعد Active Resistance (یعنی راست اقدام) کی صورت کیسے اختیار کی' جس کے نتیجہ میں مسلح تصادم کی نوبت آئی؟ یہ ہے وہ قریباً ڈیڑھ دو سال کی تاریخ جس پر غور و تدبر سے حضور ﷺ کا منہج انقلاب صحیح طور پر سمجھ میں آسکے گا اور یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ حضورؐ کو تلوار کیوں اٹھانا پڑی۔

درحقیقت پہلے چھ مہینوں میں جب کہ نبی اکرم ﷺ نے ابھی کوئی اقدام نہیں فرمایا تھا ایک واقعہ پیش آیا جو بہت اہم ہے۔ رئیس اوس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکّہ گئے۔ ابھی تک مسلمانوں اور کفارِ مکّہ کے مابین کھلا اعلان جنگ نہیں ہوا تھا۔ مکّہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا حلیف امیہ بن خلف تھا جو کبھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا ہوا کرتا تھا اور اس نے ان کو بہت ستایا تھا۔ حضرت سعدؓ نے اس کے یہاں قیام کیا اور پھر طواف کے لئے حرم گئے۔ وہاں ابوجہل سے آمنا سامنا ہو گیا۔ اس نے اُمیہ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اُس نے بتایا کہ یہ اوس کے رئیس سعد بن معاذؓ ہیں۔ ابوجہل انؓ کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا اور کہنے لگا "اگر تم اُمیہ کے حلیف نہ ہوتے تو تم بچ کر نہیں جا سکتے تھے۔ ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ تم ہمارے دشمنوں اور بے دینوں کو پناہ دو اور خود آکر بیت اللہ کا طواف کرو" ـــــ اس کے نزدیک تو جناب محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھی' معاذ اللہ' بے دین تھے' کیونکہ انہوں نے قریش کا بت پرستی کا آبائی دین چھوڑ دیا تھا۔ حضرت سعد

بن معاذؓ نے اسی وقت ترکی بہ ترکی جواب دیا "اگر تم نے ہم پر طواف بند کیا تو جان لو کہ ہم تمہارے تجارتی راستوں کو روک دیں گے"۔ یہ واقعہ سیرت النبیؐ میں موجود ہے۔ ان واقعات کی مدد سے حقائق کو سمجھنا ضروری ہے کہ کس طرح انقلاب محمدی ﷺ کا منہاج مختلف مراحل سے گزرا ہے ـــــ حقائق اور واقعات کو اس طرح سمجھنا چاہئے جیسے وہ پیش آئے اور ان سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان پر غور کرنا چاہئے۔

آنحضورؐ کے منہج عمل میں انسانی جدّوجہد کی اہمیت

انقلاب نبویؐ کے ضمن میں ایک حقیقت پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اہم نکتہ یہ ہے کہ اس میں معجزوں کا دخل بہت کم نظر آتا ہے۔ سیرتِ مبارکہ کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح نظر آئے گی کہ حضور ﷺ کے منہج عمل میں انسانی جدوجہد (Human Efforts)' محنت' کوشش' کشاکش' کشمکش' ایثار و قربانی' صبر و مصابرت اور جہاد و استقامت کے عناصر غالب نظر آئیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سارا عمل زمین پر قدم بقدم چل کر مصائب و شدائد جھیل کر' قربانیاں دے کر انجام دیا گیا ہے۔ انقلاب محمدیؐ کا یہ سارا راستہ اور فاصلہ انسانی سطح پر ان تمام مرحلوں سے گزر کر طے کیا گیا ہے جو ہر انقلابی عمل کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔ بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے بے شمار حسی معجزات' کرامات اور خرق عادت واقعات ہیں' حضورؐ کے دست مبارک سے متعدد بار عظیم ترین برکات کا ظہور ہوا ہے ـــــ لیکن اس انقلابی جدوجہد میں ان کا کتنا کچھ دخل ہے' اس اعتبار سے کبھی سوچیں اور اس نقطہ نظر سے سیرت مطہرہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ درحقیقت اس میں غالب ترین عنصر انسانی سطح کی جدوجہد کا ہے' جس میں مشکلات ہیں' مصائب ہیں' جور و ستم ہے' تعدی و ظلم ہے' شدائد ہیں۔ خود محبوب ربّ العالمین ﷺ کے لئے قید و بند اور معاشی مقاطعہ ہے' رحمۃٌ للعالمین ﷺ پر پتھروں کی بارش ہے' جس سے جسم اطہر سے اتنا خون بہا ہے کہ نعلین مبارک پیروں میں جم گئے ہیں۔ زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر آپؐ طائف کی گلیوں میں کئی بار گرے ہیں اور ظالموں نے بغلوں میں ہاتھ ڈال کر پھر کھڑا کر دیا ہے اور

چلنے پر مجبور کیا ہے۔ یہ سب کچھ خود محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوا ہے' لیکن نہ دشمنوں کے ہاتھ شل ہوئے اور نہ وہ زمین میں دھنسائے گئے ـــــ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی بھی وجہ ہے' اور یہ وہ کہ حضور ﷺ نے ان تمام مراحل سے گزر کر اللہ کا دین عرب پر غالب فرمایا' اب حضورؐ کی اُمت کو اللہ کا یہ دین پوری دنیا پر غالب کرنا ہے ـــــ تو اگر نبی اکرم ﷺ کی یہ جدّوجہد معجزوں کے ساتھ کامیاب اور غالب ہوئی ہوتی تو بعد والوں کے لئے بھی معجزے ہونے چاہئیں تھے' حالانکہ معجزہ صرف انبیاءورُسل کے ساتھ مختص ہوتا ہے' اُمت کے لئے معجزات نہیں ہوتے۔ یہ بات سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد وہاں بھی آئی تھی اور جب کبھی بھی حضور ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کی جائے گی' اللہ کی غیبی مدد تب بھی ضرور آئے گی ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد اور نصرت کا دروازہ بند نہیں ہوا' لیکن معجزہ صرف انبیاءورُسل کے لئے مختص ہوتا ہے۔ نبوت ورسالت کے اختتام کے ساتھ ہی معجزات کا سلسلہ بھی ختم ہوا' اب جو بھی کوشش اور جدوجہد کرنی ہوگی' وہ زمین پر قدم بقدم چل کر خالص انسانی سطح پر کرنی ہوگی۔ لہٰذا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت پر یہ حجت قائم فرمادی کہ آپؐ نے بالکل انسانی سطح پر' زمین پر قدم بقدم چل کر' مصائب وشدائد جھیل کر اور ہر طرح کے موانعات سے نبرد آزما ہو کر جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی انقلاب برپا فرمادیا ـــــ بہرحال سعد بن معاذؓ کا مذکورہ بالا قول بھی پیش نظر رہنا چاہئے۔

عبداللہ بن اُبَی کی بدبختی

دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی خزرج کا بہت بڑا سردار تھا اور اوس و خزرج کے دونوں قبیلے باہمی مشاورت سے اسے مدینہ کا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس کے لئے تاج بھی تیار ہو گیا تھا۔ اور یہی بات اس شخص کی بدبختی کا اصل سبب بن گئی کہ وہ منافقین کا سردار بن گیا' کیونکہ اس کی بادشاہت کا آئینہ نبی اکرم ﷺ کی مدینہ میں

تشریف آوری کے باعث چکناچور ہو گیا۔ اب ان بے تاج بادشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورودِ مسعود کے بعد کسی کے باتاج بادشاہ بننے کی گنجائش کہاں رہی! وہ ایمان تو لے آیا' کیونکہ دونوں قبیلے ایمان لے آئے تھے' لیکن پہلے ہی دن سے اس کے دل میں نفاق کا بیج جو پڑا تو وہ پروان چڑھتا ہی چلا گیا۔ اس کے پاس قریش کے خطوط آ رہے تھے کہ تم حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھ مہاجرین کو مدینہ سے باہر نکالو' تم کھڑے ہو جاؤ' تمہیں اقدام کرنا چاہئے' ہماری مدد کی ضرورت ہو تو ہم لشکر لے کر آنے کے لئے تیار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اس کی ریشہ دوانیاں ابتدا ہی سے شروع ہو گئی تھیں۔ یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ آپؐ بنفس نفیس چل کر عبداللہ بن اُبی کے پاس تشریف لے گئے۔ حالانکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ حضورؐ اس کو طلب فرماتے اور خود انتظار فرماتے ـــــ لیکن نہیں' معاملہ دین کا ہے۔ اس میں کسی کی کوئی ہیٹی نہیں ہو جاتی۔ بقول غالب ؏ میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا ـــــ یہاں دربدر جانا پڑتا ہے ـــــ حضورؐ نے خالص دنیوی انداز اور دلیل سے اسے سمجھایا اور فرمایا : دیکھو اگر تم نے کوئی اقدام کیا تو کیا اپنے بھائیوں کے خلاف جنگ کرو گے؟ حضورؐ اسے سمجھا رہے ہیں کہ تمہارا سارا قبیلہ ایمان لا چکا ہے۔ اگر تم نے اس طرح کی کوئی حرکت کی جو ہمارے علم میں آئی ہے تو اچھی طرح سوچ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا! تمہیں اپنے بھائی بندوں کے خلاف جنگ کرنی پڑے گی ـــــ اسی وجہ سے اسے کوئی عملی اقدام کرنے کی جرأت نہیں ہوئی' اگرچہ وہ ساری عمر سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرتا رہا' جیسے یہودی کرتے رہے' لیکن اسے کبھی بھی کھلم کھلا سامنے آنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

غزوۂ بدر سے قبل آٹھ مہمّات

اب غزوۂ بدر سے قبل کی آٹھ مہمات کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ رمضان المبارک ۱ھ میں سب سے پہلا سریہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں بھیجا۔ یہ سریہ تیس مہاجرین پر مشتمل تھا۔ یہ لشکر ساحل بحر تک پہنچ گیا۔ وہاں ابوجہل تین سو کی نفری کے ساتھ کوئی تجارتی قافلہ لے کر جا رہا تھا۔ وہاں دونوں کی

مڈبھیڑ ہو گئی۔ لیکن مجدی بن عمر جہنی ایک شخص تھا جس کا حضور ﷺ سے معاہدہ ہو چکا تھا' وہ بیچ میں پڑ گیا اور اس نے کوئی مسلح تصادم نہیں ہونے دیا۔ لہٰذا کوئی جنگ یا خونریزی نہیں ہوئی۔ ورنہ تیس صحابہ رضی اللہ عنہم کا تین سو مشرکینِ مکہ سے مقابلہ ہوتا۔ گویا ایک اور دس کی نسبت تھی۔ یہ پہلی مہم تھی جو حضورؐ نے رمضان سن ایک ہجری میں بھیجی تھی۔ یہ بات تاریخ کے حوالہ سے سامنے رکھئے۔ اس سریہ کے بارے میں تاریخ میں آیا ہے کہ پہلا جھنڈا جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے بلند فرمایا وہ اس سریہ کے لئے تھا جو حضورؐ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔

دوسری مہم ایک ماہ بعد ہی شوال ۱ھ میں حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مہاجرین کے ساتھ بھیجی گئی۔ اس کا بھی ابوسفیان کے ایک قافلہ کے ساتھ رابغ کے مقام پر آمنا سامنا ہو گیا اور ٹکراؤ کی نوبت آ گئی۔ رابغ بھی ساحل بحر پر ہے۔ (حج اور عمرہ کرنے والے حضرات اس مقام سے بخوبی واقف ہیں کیونکہ یہ مدینہ کے راستہ میں آتا ہے) بہرکیف اس موقع پر بھی جنگ نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ ابھی تک کسی کی طرف سے بھی باقاعدہ اعلان جنگ نہیں ہوا تھا۔ حضور ﷺ کا مقصد اصل میں یہ تھا کہ اپنی موجودگی ثابت کر دیں کہ اب یہ تجارتی راستہ تمہارے لئے پہلے کی طرح محفوظ و مامون نہیں ہے کہ بے کھٹکے گزرتے رہو' بلکہ یہ اب ہماری زد میں ہے۔ اس موقع پر پہلا تیر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے چلایا' اگرچہ اس سے کوئی زخمی نہیں ہوا۔ یہاں بھی بیچ بچاؤ ہو گیا اور باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

حضور ﷺ نے تیسرا سریہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی ذی قعدہ میں بھیجا جو تیس مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھا۔ اس طرح حضور ﷺ مسلسل ہر ماہ ایک ایک مہم روانہ فرما رہے تھے۔ اس سریہ کے لئے حضور ﷺ نے خرار کا مقام متعین فرمایا تھا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا تھا کہ وہاں تک جاؤ' اس سے تجاوز نہ کرنا۔ ان مہموں کا مقصد دراصل قریش کے تجارتی راستوں پر اپنی موجودگی کا اعلان کرنا اور قریش کو ان راستوں کے مخدوش ہونے کی تشویش میں مبتلا کرنا تھا۔ حضورؐ کے یہ اقدامات قریش مکہ کی معیشت کے اعتبار سے نہایت نازک اور پریشان کن

(Critical and Cruical) تھے' کیونکہ ان کے شام کے لئے تجارتی قافلے ان راستوں سے گزرتے تھے۔

اس کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا جن میں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ اس سلسلے کا پہلا سفر ۲ھ میں ہوا۔ بنو زمرہ کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا' وہاں حضورؐ نے قیام فرمایا۔ اس سفر کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ اپنی موجودگی کا اظہار ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا اس قبیلہ کے ساتھ حلیف ہونے کا معاہدہ طے پا گیا۔ دوسرا سفر ربیع الاول یا ربیع الآخر میں ہوا (اس میں کچھ اختلاف ہے۔) اس میں غزوۂ بواط واقع ہوا' جس میں حضورؐ خود شریک تھے۔ سیرت کی کتابوں میں مقام کا نام اور مہینہ تو موجود ہے لیکن اس کی تفاصیل نہیں ملتیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ کے ایک نہایت اہم سفر کا ذکر کتب سیر میں غزوۂ عشیرہ کے عنوان سے ملتا ہے۔ حضورؐ کا یہ سفر قریباً دو ماہ پر محیط تھا۔ یعنی جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ ۲ھ ـــــ اور حضورؐ نے یہ سفر اُس قافلے کو روکنے کے لئے اختیار فرمایا تھا جو ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو جا رہا تھا۔ یہی وہ قافلہ ہے کہ جب واپس آ رہا تھا تو حضورؐ نے اس کو روکنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر واقع ہو گیا ـــــ اس قافلہ کا بھی ایک مخصوص تاریخی پس منظر ہے۔ حضورؐ کی ہجرت سے متصلاً قبل اور بعد مکّہ سے مہاجرینؓ نے بھی مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ لیکن اکثر و بیشتر مہاجرین اپنے اہل و عیال کو ساتھ نہیں لا سکے تھے اور وہ مکّہ ہی میں رہ گئے تھے۔ اسی طرح ان کا ساز و سامان اور اثاثہ و سرمایہ بھی مکّہ ہی میں رہ گیا تھا۔ اس کے بعد مشرکین مکّہ نے دارالندوہ میں یہ طے کیا تھا کہ مہاجرین کی تمام چیزیں ضبط کر لی جائیں اور ان کی فروخت سے ایک بہت بڑا فنڈ قائم کیا جائے' اس تجارت سے ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تشکیل دیا جائے اور اس تجارت سے جو منافع ہو گا اس کو ہم مسلمانوں پر لشکر کشی کے لئے استعمال کریں گے۔ تو گویا یہ محض ایک تجارتی قافلہ نہیں تھا بلکہ آئندہ جو مسلح تصادم ہونے والا تھا اس کے لئے مالی ذرائع فراہم کرنا بھی اول روز سے اس قافلہ کی ترتیب و تشکیل میں پیش نظر تھا ـــــ یہ خبر مدینہ پہنچ چکی تھی اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

حضور ﷺ سے درخواست بھی کی تھی کہ اب ہمیں جنگ کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ ہم جو ساز و سامان اور اثاثہ مکّہ میں چھوڑ کر آئے تھے وہ سارے کا سارا قریش نے ضبط کر لیا ہے اور اس کے منافع سے جنگی تیاری ان کے پیش نظر ہے۔

بہرحال نبی اکرم ﷺ اس قافلے کے تعاقب کے لئے نکلے۔ حضورؐ کے ساتھ ڈیڑھ سو مہاجرین اور تیس اونٹ تھے۔ مجاہدین قافلہ کے تعاقب میں ینبوع تک پہنچ گئے۔ لیکن چند دنوں کا فصل پڑ گیا تھا اور قافلہ چند راتیں قبل شام کی طرف نکل چکا تھا' لہٰذا اس کا راستہ روکا نہیں جا سکا۔ البتہ نبی اکرم ﷺ نے وہاں قیام فرمایا اور وہاں آباد قبیلہ بنی مصطلق کے ساتھ مصالحت کی۔ طے یہ ہوا کہ قبیلہ بنی مصطلق کے لوگ غیر جانب دار رہیں گے' نہ تو قریش مکّہ کے خلاف مسلمانوں کی مدد کریں گے نہ مسلمانوں کے خلاف قریش مکّہ کی۔ یہ غزوہ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس کا بالواسطہ تعلق غزوۂ بدر سے جڑ جاتا ہے۔

غزوۂ بدر سے متصلاً قبل ایک غزوہ اور ہے جسے غزوۂ بدرِ اولیٰ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہوا یہ کہ ایک شخص عرض بن شعری نے مسلمانوں پر اپنی ذاتی حیثیت سے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا اور مدینہ کے قرب و جوار میں لوٹ مار کی اور چند مویشی پکڑ کر لے گیا۔ اس میں قریش کا ہاتھ نہیں تھا۔ حضورؐ نے تعاقب کیا اور آپؐ بدر تک پہنچے' لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ حضورؐ اس سے آگے تشریف نہیں لے گئے اور مراجعت فرمائی۔ چونکہ یہ بھی حضورؐ کا ایک سفر ہے' طاقت اور نفری کے ساتھ' لہٰذا یہ بھی ان غزوات کی فہرست میں شامل ہے۔

مسلح تصادم کا آغاز : واقعۂ نخلہ

اس سلسلہ کا اہم ترین واقعہ نخلہ ہے' جس نے اصل میں مکّہ میں آگ لگائی۔ یہ واقعہ سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نام سے سیرت کی کتب میں مذکور ہے۔ اس کا خاص معاملہ یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو ایک بند خط دیا اور فرمایا کہ مکّہ کی طرف جاؤ' اور جب مدینہ سے دو دن کی مسافت طے کر لو تب یہ خط کھولنا' پھر اس میں دیکھنا کہ کیا لکھا ہے' اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا ـــــ اب آپ اندازہ کیجئے کہ راز

داری (Secrecy) کس درجہ کی ہے! حضورؐ نے اس کو اس درجہ مخفی رکھا ہے کہ خود کمانڈر کو معلوم نہیں ہے کہ وہ مہم کیا ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے! بعض روایات میں بارہ صحابہ اور بعض میں آٹھ کی تعداد کا ذکر آتا ہے جو حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے ساتھ تھے۔ مدینہ سے دو دن کی مسافت کے بعد انہوں نے خط کھولا تو اس میں ہدایت تھی کہ وادیٔ نخلہ {۱} پہنچو۔ یہ وادیٔ نخلہ کہاں ہے؟ اب ذرا جغرافیہ کو ذہن میں لائیے۔ مکّہ جنوب میں ہے' مدینہ شمال میں اور طائف مکّہ سے جنوب مشرق میں ہے۔ مدینہ سے وہاں کا فاصلہ کم از کم تین سو میل کا ہے۔ یہاں مہم بھیجنا بغیر کسی اہم منصوبہ کے اور بغیر کسی سوچے سمجھے اقدام کے ممکن نہیں تھا' یہ تمام کارروائی بلا سبب نہیں تھی۔ تو حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو حکم ہوا کہ مکہ اور طائف کے درمیان جاکر وادیٔ نخلہ میں قیام کرو اور قریش کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھو اور ہمیں اس کے بارے میں اطلاعات دیتے رہو۔ یمن کی طرف جانے والے قریش کے قافلے یہاں سے ہو کر گزرتے تھے۔ یمن کا راستہ طائف سے ہو کر گزرتا ہے اور وادیٔ نخلہ طائف اور مکّہ کے درمیان واقع ہے۔ جو قافلے شام کو جاتے تھے ان کے راستوں کے متعلق سات مہمات آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں' جو ان راستوں میں اپنی موجودگی ثابت کرنے اور ان کو مخدوش بنانے کے لئے بھیجی گئی تھیں۔ لیکن یہ مہم اس راستہ کے لئے تھی جو طائف سے ہو کر یمن جاتا تھا۔ تو حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو ہدایت کی گئی کہ وادیٔ نخلہ میں جاکر قیام کرو اور قریش کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھو اور ہمیں ان کے بارے میں اطلاعات دیتے رہو۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے جب خط پڑھا تو چونکہ مہم بڑی سخت اور کڑی آپڑی تھی لہٰذا آپؓ نے اپنے ساتھیوں پر واضح کر دیا کہ میں تو جاؤں گا' اس لئے کہ حضورؐ کا حکم ہے' لیکن تم میں سے جو میرا ساتھ دینا چاہے دے' میں کسی کو مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن ان سب نے کہا جو حضورؐ کا حکم ہے وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ ان سب نے جاکر وادیٔ نخلہ میں قیام کیا۔ وہاں ایک مختصر سا قافلہ آگیا' جس میں قریش کے کل پانچ افراد شامل تھے' اگرچہ

{۱} وادیٔ نخلہ وہ وادی ہے جہاں ۱۰ نبوی میں سفر طائف سے واپس آتے ہوئے آپؐ نے فجر کی نماز پڑھی۔ اُس وقت جنوں کا ایک گروہ وہاں سے گزرا اور قرآن سن کر ایمان لے آیا۔

وہ سبھی بڑے اونچے گھرانوں کے لوگ تھے۔ متعدد اونٹوں پر لدا ہوا کافی سامان تجارت انکے ساتھ تھا جو وہ طائف سے مکّہ لے جا رہے تھے۔ یہ قافلہ جب وہاں سے گزرا تو مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب ہم کیا کریں۔ اگرچہ حضورؐ کے خط میں صراحت نہیں تھی کہ حملہ کیا جائے' لیکن ان کی رائے یہ بنی کہ ہمیں حملہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ مقابلہ ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مکّہ والوں میں سے ایک شخص جس کا نام عمرو بن عبداللہ الحضرمی بیان کیا گیا ہے' وہاں قتل ہو گیا۔ عمرو بن عبداللہ الحضرمی کا باپ عبداللہ اگرچہ حضرموت کا رہنے والا تھا لیکن مکّہ میں امیہ بن حرب (ابو سفیان کے والد) کا حلیف تھا اور وہاں حلیف کا رشتہ بہت مضبوط ہوتا تھا۔ اس تجارتی قافلے میں مغیرہ کے دو پوتے اور ایک آزاد کردہ غلام شامل تھے۔ مغیرہ کے خاندان کا شمار قریش کے چوٹی کے گھرانوں میں ہوتا تھا۔ بہرکیف مقابلہ کے نتیجہ میں عمرو بن عبداللہ الحضرمی مارا گیا۔ دو افراد جان بچا کر فرار ہو گئے اور بقایا دو کو انہوں نے قیدی بنا لیا۔ ان دو قیدیوں اور جو بھی مال غنیمت ہاتھ لگا اس کو لے کر یہ حضرات مدینہ واپس آ گئے۔

اس واقعہ کے متعلق ہمیں دو مختلف روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن جحش پر کوئی عتاب نہیں فرمایا۔ آپؐ نے مال غنیمت میں سے خُمس بھی قبول فرما لیا۔ جو دو قیدی تھے' ان کا فدیہ قبول کر کے انہیں آزاد فرما دیا۔ ان میں سے ایک قیدی حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ وہیں مسلمان ہو گئے۔ مغیرہ کے پوتوں میں سے ایک بھاگ گیا تھا۔ دوسرا جو قید ہوا تھا' فدیہ دے کر چلا گیا۔ حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں رضی اللہ عنہم کو نہ کوئی سرزنش فرمائی اور نہ ہی کوئی وضاحت طلب فرمائی کہ تم نے میرے حکم سے تجاوز کیوں کیا؟ (یہ ایک روایت ہے جسے محمّد بن عبدالوہابؒ نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے) ——— دوسری روایت جو بہت سی کتابوں میں بیان کی گئی ہے' یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا' مال غنیمت قبول نہیں فرمایا' بلکہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں حملہ کی اجازت نہیں دی تھی' میری ہدایت صرف یہ تھی کہ وہاں قیام کرو' قریش کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھو اور اس کی ہمیں اطلاع دیتے رہو۔ یہ اقدام تم نے خود کیا ہے۔

اس میں ایک مسئلہ اور پیدا ہو گیا تھا' وہ یہ کہ وہ رجب کی آخری تاریخ تھی اور رجب کا مہینہ اشہرِ حُرم میں شامل ہے۔ یعنی اُن چار مہینوں میں سے ایک ہے جن میں مشرک و کافر بھی جنگ نہیں کرتے تھے ـــــ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مہم کے ارکان نے مشورہ کیا کہ ہمارے سامنے دو متبادل صورتیں ہیں۔ اگر ہم قافلہ کو چھوڑ دیتے ہیں تو رجب کی حرمت تو بچ جائے گی لیکن پھر یہ حدودِ حرم میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان پر حملہ ممکن نہ ہو گا۔ ہم دو حرمتوں کے مابین آ گئے ہیں۔ رجب کی آخری تاریخ تھی۔ رات شروع ہوئی تو رجب بھی ختم اور اشہرِ حُرم بھی ختم ـــــ بہرحال ان کا مشورہ یہ ہوا کہ جنگ کی جائے اور جنگ کا نتیجہ وہ نکلا جو اوپر بیان ہوا۔

اس پوری صورت حال پر غور کرنے کے بعد امکانی نتیجہ یہ ہے کہ اگر حضور ﷺ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا تب بھی یہ بات مسلّم ہے کہ انہیں کوئی سزا نہیں دی۔ کیونکہ صورت حال (Situation) ایسی بن گئی تھی کہ اس میں اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ہاتھ بندھے رکھتے تو ہو سکتا تھا کہ سب شہید ہو جاتے۔ اس لئے کہ مڈبھیڑ ہوئی ہے' آمنا سامنا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ واقعہ کی تفاصیل تو نہیں مل سکیں۔ اللہ کرے کہ کچھ باحوصلہ حضرات کمر ہمت کس لیں اور متقدمین کی جو بہت سی مستند کتب سیرت موجود ہیں' ان کا تحقیقی مطالعہ کریں اور اس واقعہ کی تفاصیل کو جمع کریں' کیونکہ یہ بہت اہم واقعہ ہے۔

اب یہ جان لیجئے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا! مکّہ میں جب یہ خبر پہنچی تو وہاں گویا آگ لگ گئی۔ اس لئے کہ صورت واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے بعد پہلا عَلَم محمد ﷺ نے بلند فرمایا ـــــ پہلا تیر محمد ﷺ کے جان نثار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف سے چلا ـــــ اور اب پہلا قتل بھی اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم) کے ہاتھوں سے ہو گیا۔ حضورؐ نے حکم دیا تھا یا نہیں' بہرحال بالفعل یہ کام حضورؐ کے آدمیوں کے ہاتھوں ہوا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ اس کی ذمہ داری تو یقیناً آئے گی۔ جماعتی سطح پر تو یہی ہوتا ہے کہ جماعت کا کوئی فرد جب کوئی اقدام کرتا ہے تو اس کی ذمہ داری جماعت کے قائد پر آتی ہے۔ یا پھر یہ ہوتا کہ حضورؐ اس سے بالکلیہ براءت کا اظہار فرماتے یا اقدام کرنے والوں

کو سزا دیتے اور مشرکین کے نقصان کی تلافی فرماتے۔ لیکن ایسی کوئی شکل حضورؐ نے اختیار نہیں فرمائی۔ گویا آپؐ نے اپنے اصحابؓ کے اس اقدام کو قبول (Own) فرمالیا ـــــ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مکّہ میں چیخ وپکار شروع ہوگئی کہ قتل کا بدلہ قتل' خون کا بدلہ خون! ـــــ مکّہ میں جو آگ لگی ہوئی تھی اُس کا اندازہ اس وقت ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ کسی قبائلی معاشرے میں یہ معاملہ کس قدر جذباتی اور اہم ہوتا ہے۔

ایک طرف مکّہ میں ہیجان خیز صورت حال تھی' دوسری طرف ابوسفیان کے قافلہ کی واپسی کا وقت آ گیا۔ وہی قافلہ جسے غزوۂ عشیرہ کے موقع پر حضورؐ نے روکنے (intercept کرنے) کی کوشش فرمائی تھی مال واسباب سے لدا پھندا واپس آ رہا تھا۔ تو ابوسفیان کی طرف سے مکّہ میں یہ ہنگامی پیغام (S.O.S.Call) پہنچ گیا کہ مجھے خطرہ ہے محمدؐ (ﷺ) کے ساتھیوں سے کہ وہ ہمارے قافلہ کو لوٹ لیں گے۔ لہٰذا مجھے فوراً کمک پہنچائی جائے اور قافلہ کی حفاظت کا معقول انتظام کیا جائے ـــــ یہ دونوں باتیں تھیں کہ جن کی بنا پر مکّہ میں وہ لوگ جو جنگجو' جوشیلے اور مشتعل مزاج (Hawks) تھے وہ قابو سے باہر ہو گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک دلیل آ گئی تھی۔ اس طرح کے نمایاں اشخاص ابوجہل اور ابوسفیان تھے ـــــ اس کے ساتھ ساتھ مکّہ میں ٹھنڈے مزاج' بردبار طبیعت کے حامل اور شریف النفس لوگ (یعنی Doves) بھی موجود تھے جو نہیں چاہتے تھے کہ خانہ جنگی ہو۔ ان میں نمایاں شخصیتیں عتبہ بن ربیعہ اور حکیم بن حزام کی تھیں۔ آخر الذکر تو بعد میں ایمان لے آئے' جلیل القدر صحابی ہیں' رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان کی پھوپھی تھیں' اور اس رشتہ سے حضور ﷺ ان کے پھوپھا ہوئے۔ عتبہ بن ربیعہ کا معاملہ تو یہ ہے کہ اس نے ہجرت کے بعد قریش سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اب تم محمدؐ (ﷺ) کے خلاف کوئی اقدام مت کرو' اب انہیں عرب کے حوالے کر دو۔ اب ان کا عرب سے ٹکراؤ ہو گا' ہم تو بس تماشا دیکھیں گے۔ اگر محمدؐ (ﷺ) جیت جاتے ہیں اور پورے عرب پر ان کا قبضہ و تسلط ہو جاتا ہے تو ہماری ہی جیت ہے۔ آخر وہ قریشی ہیں۔ وہ ہمارے ہی آدمی ہیں ـــــ وہ بڑا دور اندیش' سیاست دان اور مدبر آدمی تھا۔ اس نے مزید کہا کہ "اگر عرب محمدؐ (ﷺ) کو ہلاک کر دیں تو جو تم چاہتے ہو وہ ہو جائے گا اور تمہیں

اپنے بھائیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے نہیں پڑیں گے"۔ اِس قدر دُور اندیشی کا مشورہ تھا جو عتبہ نے دیا تھا۔ تو عتبہ اور حکیم بن حزام آپس کی خونریزی سے بچنا چاہتے تھے۔ دوسری جانب ابوجہل Hawks کا چیف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ فوری اقدام کیا جائے ـــــ اب جب یہ صورت حال پیش آگئی تو یوں سمجھئے کہ ان کے جوشیلے اور جنگ پسند لوگوں کو تقویت حاصل ہو گئی کہ ایک تو ہمارا آدمی عمرو بن عبداللہ الحضرمی وادی نخلہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ لہٰذا خون کا بدلہ خون ہو گا اور دوسری طرف ہمارے تجارتی قافلہ کو شدید خطرہ درپیش ہے۔ لہٰذا ان بہانوں سے ایک ہزار جنگجوؤں کا کیل کانٹے سے لیس لشکر مکّہ سے مدینہ روانہ ہوا' جس کے نتیجہ میں غزوۂ بدر ہوا۔ یہ غزوہ انقلابِ محمّدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) کا نقطۂ آغاز ہے۔

اقولی قولی ھذا واستغفراللہ لی ولکم ولسائرالمسلمین والمسلمات!!!

کون مسلمان ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کا دعویٰ نہ ہو!
لیکن آپؐ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین سے سچی محبّت کے تقاضے کیا ہیں'
ہم میں اکثر لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اس موضوع پر ڈاکٹر اسرار احمد کی نہایت جامع تالیف

حُبِّ رسولؐ اور اُس کے تقاضے

خود بھی مطالعہ کیجئے اور دوسروں تک بھی پہنچائیے!

شائع کردہ
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

(تیسری قسط)

شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا تاریخی پس منظر

اب ہم شہید مظلوم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تاریخی پس منظر اور ان اسباب و علل کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں جن کے نتیجے میں یہ سانحہ فاجعہ ظہور پذیر ہوا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ہر واقعہ کے کچھ اسباب ظاہری ہوتے ہیں اور کچھ باطنی اور مخفی۔ اور دراصل مؤثر کردار یہ باطنی و مخفی اسباب ہی ادا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ عام طور پر ظاہری اسباب نظروں کے سامنے ہوتے ہیں لہٰذا ان مخفی اسباب کی طرف توجہ بہت کم مبذول ہوتی ہے بلکہ وہ نظر ہی نہیں آتے۔ آپ تاریخی اعتبار سے اس پر غور کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کامیاب فرمایا' آپؐ کو غلبہ عنایت کیا اور آپؐ کے مشن ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ کی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں تکمیل ہو گئی اور آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے مشن اور اسلام کے پیغام کو لے کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہر نکلے تو جو لوگ مفتوح ہوئے اور جن لوگوں نے شکست کھائی' غور کیجئے کہ وہ کون کون لوگ تھے! یہ دو بڑے بڑے گروہ تھے ـــــ پہلا وہ جس نے مذہبی طور پر اور دوسرا وہ جس نے سیاسی طور پر شکست کھائی۔

مذہبی گروہ میں سے مشرکین عرب کا تو تیا پانچا کر دیا گیا۔ ان کے حق میں تو سورۃ التوبہ کی وہ آیات نازل ہو گئیں کہ ان مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت ہے' اگر اس کے اندر یہ

ایمان لے آئیں تو اس سرزمین میں رہ سکتے ہیں' اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اگر یہ مشرکین اس چار ماہ کی مہلت سے فائدہ نہ اٹھائیں' یعنی نہ ایمان لے آئیں' نہ ترکِ وطن کریں تو تم ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو :

﴿ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ﴾

"پس جب محترم مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ' اور انہیں پکڑو اور گھیرو' اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو!"

اِن آیات نے فیصلہ کر دیا کہ مشرکین عرب کے ساتھ کوئی رُو رعایت اور کوئی نرمی کا معاملہ نہیں ہو گا۔ اب شرک پر ڈٹے رہنے کے سبب سے ان کو تہ تیغ کر دیا جائے گا اور ان پر عذابِ استیصال کی سُنّت اللہ پوری ہو گی' جو اُن قوموں کے لئے مقرر ہے جن کی طرف رسول براہ راست مبعوث کئے جاتے ہیں۔ اور حضور ﷺ ان ہی میں سے اٹھائے گئے تھے اور حضورؐ کی دعوت کے اولین مخاطب یہی لوگ تھے ـــــ لیکن یہود و نصاریٰ کو ایک رخصت دی گئی کہ تم اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہو' البتہ تمہیں چھوٹا بن کر اور مغلوب بن کر رہنا ہو گا اور جزیہ ادا کرنا ہو گا :

﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ ﴾

"جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے ہو کر رہیں"۔

یہ رعایت تھی جو اہل کتاب کے ساتھ اسلام نے کی۔ اس رعایت سے اہل کتاب بالخصوص یہود نے غلط فائدہ اٹھایا۔ ان میں جوشِ انتقام پہلے ہی سے موجود تھا' ان کی مذہبی سیادت ختم ہو چکی تھی اور ان کے نام نہاد تقویٰ کا بھرم کھل چکا تھا۔ ان کی حیثیت عرب میں بالکلیہ

مغلوب اور ذِمی کی ہو گئی تھی' جس پر جزیہ کی ادائیگی ان کے لئے بڑی شاق تھی۔

اہل کتاب کے ساتھ قرآن مجید میں جو معاملہ کیا گیا ہے' اس کے بھی دو رُخ ہیں۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ نبوت میں جزیرہ نمائے عرب میں جو نصاریٰ تھے' ان کی قرآن نے کہیں کہیں تعریف و توصیف بھی کی ہے۔ ان میں خدا ترس لوگ موجود تھے' ان میں قبولِ حق کی استعداد تھی۔ پھر نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نصاریٰ سے کوئی مسلح تصادم اور معرکہ بھی پیش نہیں آیا۔ جبکہ یہود کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ان پر قرآن میں بڑی شدید تنقیدیں ہوئی ہیں۔ سورۃ البقرہ کے دس رکوعات میں (چوتھے رکوع سے چودھویں رکوع تک) مسلسل ایک قرار دادِ جرم ہے جو یہودیوں پر عائد کی گئی ہے۔ پھر ان کے تین قبیلوں کو مدینہ سے نکالا گیا۔ ایک قبیلے کی تعدّی و سرکشی اور بدعہدی کی وجہ سے خود ان کے مقرر کردہ حکم کے فیصلے کے مطابق ان کے جنگ کے قابل تمام مَردوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ پھر خیبر' جو ان کا مضبوط ترین گڑھ تھا' جہاں مستحکم قلعہ بندیاں تھیں' اور جہاں مدینہ سے نکلے ہوئے تمام یہودی جمع تھے اور وہ ہر طرح کیل کانٹے سے لیس تھے' وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ لہٰذا سب سے زیادہ زخم خوردہ یہود تھے۔ عیسائی بھی زخم خوردہ تھے لیکن ان کا معاملہ اتنا شدید نہیں تھا جتنا یہودیوں کا تھا۔ لہٰذا انتقام کے لئے سب سے پہلے یہودیوں نے ریشہ دوانیاں اور سازشیں کیں۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جتنا عظیم سازشی ذہن اس قوم کا ہے اور اس میں اس کو جو مہارتِ تامّہ حاصل ہے اس کا کوئی دوسری قوم مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہندوؤں کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قوم بھی بڑا سازشی ذہن رکھتی ہے' تو جدید تحقیق یہ ہے کہ ہندو قوم بھی نسلی اعتبار سے یہودی ہے اور یہ قوم یہودیوں کے گم شدہ قبائل (Lost Tribes of Israil) سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا یہود و ہنود میں جہاں قافیہ ایک ہے وہاں مزاجی کیفیت میں بھی بڑی یکسانیت ہے۔

یہ یہودی سازشی ذہن ہی کا شاخسانہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوتِ توحید کے چشمۂ صافی میں سب سے زیادہ گھناؤنا اور عریاں ترین شرک شامل کر دیا گیا اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوری اُمت کو بدترین شرک میں مبتلا کر دیا گیا۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام

کو باقاعدہ اللہ کا صُلبی بیٹا قرار دے دیا گیا اور ان کو الوہیت میں شریک ٹھہرایا گیا۔ پھر روح القدس کو، جس سے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مریم، اقانیم ثلاثہ میں شامل کر کے اس طرح تثلیث کا عقیدہ گھڑا گیا۔ یہ کام اُس انتہائی متعصب یہودی نے انجام دیا جو کہ سینٹ پال کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اُس نے بظاہر عیسائیت قبول کی اور پھر دین عیسوی کے بخیئے ادھیڑ دیئے۔ اسی سازشی ذہن کا پیکرِ کامل یمن کا ایک یہودی عبداللہ بن سبا تھا، جو بظاہر مسلمان ہوا اور اُس نے مسلمانوں میں شامل ہو کر سازشی ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ اس شخص نے اہل بیت کی محبت کا جھوٹا لیکن دلفریب لبادہ اوڑھ کر مفتوحہ علاقوں کے نو مسلموں میں اپنے کارکنوں کے ذریعے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مہم شروع کر دی اور ان سیدھے سادے نو مسلم عوام کی عقیدتوں کا رُخ شخصیت پرستی کی طرف موڑ دیا۔

دوسری جانب سیاسی اعتبار سے دیکھئے، جب اسلام کو عروج حاصل ہوا تو دنیا میں دو عظیم مملکتیں تھیں، ایک سلطنتِ روما، جو تین براعظموں تک وسیع تھی اور یورپ کے اکثر ممالک، مغربی ایشیا کے چند علاقے اور شمالی افریقہ کے تقریباً تمام ممالک قیصر روم کے زیر نگیں یا باج گزار تھے۔ دوسری عظیم سلطنت کسریٰ کی تھی، یعنی ایران۔ خلافتِ راشدہ خصوصاً دورِ فاروقی میں سلطنتِ کسریٰ کی دھجیاں اُڑ گئیں، بلکہ اس کا تو وجود ہی صفحۂ ہستی سے محو ہو گیا۔ یہ نتیجہ تھا اُس گستاخی کا جو خسرو پرویز نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے ساتھ کی تھی، جس کے ذریعے اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ حضورؐ نے تو اُسی وقت فرما دیا تھا کہ کسریٰ نے میرا نامہ چاک نہیں کیا بلکہ اپنی سلطنت کے پرخچے اڑا دیئے۔ اس گستاخی کی اسے فقد سزا تو یہ ملی کہ اسی وقت سے ایران میں محلاّتی سازشوں نے سر اٹھایا جن کے نتیجے میں خسرو پرویز قتل ہوا اور یکے بعد دیگرے مختلف افراد تختِ کسریٰ پر متمکن ہوئے ـــــ جبکہ سلطنت روما کی تو صرف ایک ٹانگ ٹوٹی۔ اس کے صرف مغربی ایشیا کے مقبوضات اور شمالی افریقہ میں سے صرف مصر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور میں اسلام کے پرچم تلے آئے۔ یورپ کے جو ممالک قیصر روم کے قبضے میں تھے وہ جوں کے توں باقی رہے اور سلطنتِ روما کی سطوت کافی بڑی حد تک باقی رہی۔ شمالی افریقہ

کے دوسرے مقبوضات دورِ عثمانی میں اسلامی مملکت کے زیرِ نگیں آئے ـــــ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ سلطنت کسریٰ کی تو دورِ فاروقی میں دھجیاں اُڑ گئیں' اس کا تو وجود ہی باقی نہیں رہا ـــــ لہٰذا جہاں تک انتقامی جذبات کا معاملہ ہے تو وہ سب سے زیادہ شدید ایرانیوں کے اندر موجزن تھے۔ اسی سے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایرانیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اتنا بغض کیوں ہے! اسی کا مظہر ہے کہ ایران میں جیسے دوسرے اکابر اور اہل بیت کے مقبروں کی شبیہیں اور تصویریں بطور تقدیس چھپتی اور گھروں میں لگائی جاتی ہیں' اسی طرح اُس بدبخت ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کی شبیہیں اور تصویریں فروخت ہوتی ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت' خلیفہ راشد اور امیرالمومنین کا قاتل تھا' اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوتی ہے : "قبر مبارک حضرت ابولولو فیروز" ـــــ اِنّا للہ واِنّا الیہ راجعون۔ اس نابکار مجوسی کی قبر کی تقدیس اور اس کے نام کی توقیر صرف اس لئے کہ اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کا چراغ بجھایا تھا' جو ایران کے حقیقی فاتح تھے۔

اب آپ غور کیجئے کہ اسلام کے خلاف دُوطرفہ سازشیں شروع ہوئیں۔ ایک جانب یہودیوں کی طرف سے جو مذہبی سیادت کے لحاظ سے زخم خوردہ تھے اور دوسری جانب ان مجوسیوں کی طرف سے جو چاہے بظاہر مسلمان ہو گئے ہوں لیکن جو سلطنتِ کسریٰ کے پرخچے اڑ جانے کی وجہ سے شکست خوردہ تھے اور آتشِ انتقام میں جل رہے تھے۔ نتیجتاً مذہبی اعتبار سے انتقام کے سب سے زیادہ شدید جذبات یہودیوں میں تھے اور سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ انتقام کے جذبات ایرانیوں میں تھے۔ یہ دونوں ہی چاہتے تھے کہ اللہ کے دین کے چراغ کو اپنی ریشہ دوانیوں' سازشوں اور افواہوں سے بجھا دیں۔

اس انتقام کی پہلی کڑی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی' اور اس کے ذریعے خلافتِ اسلامی کو سبوتاژ کرنا مقصود تھا' لیکن اسلام کے دشمنوں کو اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حالات پر پوری طرح قابو پا لیا' بلکہ داخلی امن و امان اور استحکام کے ساتھ تمام شورشیں اور بغاوتیں نہ صرف فرو کر ڈالیں بلکہ فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہونے لگا تو اب یہودی سازشی

ذہن اور آگے بڑھا اور اُس نے اپنی وہ خفیہ کارروائیاں تیز کر دیں جن کی داغ بیل عبداللہ بن سبا دورِ صدیقی میں ڈال چکا تھا۔ اس سازشی کام کے لئے اس کو ایران کی زمین سب سے زیادہ سازگار نظر آئی۔ یہاں وہ عنصر بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود تھا جو بظاہر مسلمان لیکن ذہناً مجوسی اور شاہ پرست تھا اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا' اور وہ سیدھے سادے عوام بھی موجود تھے جن کی گھٹی میں شخصیت پرستی اور ہیرو ورشپ (Heroworship) پڑی ہوئی تھی اور جو ہر بڑے اور ہر مقدس شخص کے اہل بیت کو بھی بڑا اور مقدس سمجھنے کے صدیوں سے خوگر تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا کی سازش پال کی سازش سے کم نہیں تھی۔ لیکن اسلام اللہ کا آخری دین ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں' اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت ہے' جسے اللہ نے محفوظ رکھنے کی خود ذمہ داری لی ہوئی ہے : ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ اللہ کی طرف سے ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ﴾ کا اٹل فیصلہ ہو چکا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کو مسخ کیا گیا اور دین کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تو قرآن نے آکر تصحیح کر دی اور دین حق مبرہن ہو گیا۔ اگر حضور ﷺ کی شخصیت کو اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کو مسخ کر دیا جاتا تو پھر کون تھا جو اس کی تصحیح کرتا؟ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن اور ختم المرسلین ہیں لہٰذا حضورؐ کی شخصیت' دین اسلام اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ عطا ہوا۔ نیز اُمتِ مسلمہ کو یہ فضیلت بھی عطا ہوئی کہ اُمت کے علمائے حق کا مقام حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل کے مطابق قرار پایا۔ مزید برآں حضورؐ نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میری اُمت کا ایک گروہ ہر دور میں حق پر قائم رہے گا ـــــ لہٰذا یہ سازش بالکلیہ کامیاب نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اس سازش کے وہ گندے اور نجس انڈے بچے تھے جن کے ہاتھوں خلیفۂ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور علوی خلافت کا پورا دَور فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کی نذر ہو گیا اور اس دَور میں چوراسی ہزار مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے شہید ہوئے۔ یہ درحقیقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا خمیازہ تھا۔ جب کسی حقیقی بڑے مومن کو ستایا جاتا ہے' جب کسی مؤمن

صادق کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے' جب کسی اللہ والے کے دل کو دُکھایا جاتا ہے' جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی محبوب کا ناحق خون بہایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب بھڑکتا ہے اور مختلف صورتوں میں عذابِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے' جس کی ایک بڑی المناک صورت آپس کی خانہ جنگی اور خون ریزی ہوتی ہے' جو ہمیں دورِ علوی میں نظر آتی ہے۔

مظلوم ترین شہادت

اسلام کی تاریخ قربانیوں اور شہادتوں سے بھری پڑی ہے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ "شہیدِ مظلوم" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس سے قبل مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے' انفرادی طور پر بھی اور میدانِ قتال میں بھی' جہاں انہوں نے کفار کو قتل بھی کیا اور خود شہادت کے مرتبہ عالیہ سے سرفراز بھی ہوئے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہ پہلے مردِ صالح ہیں جو امامِ وقت' خلیفۂ راشد اور امیر المومنین ہوتے ہوئے خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آپؓ محبوبِ رسولِ خدا ہیں' اور محبوب بھی کیسے کہ جن کے حبالۂ نکاح میں یکے بعد دیگرے حضور ﷺ کی دو صاحبزادیاں آئیں ـــــ جن کے حسن سلوک سے نبی اکرم ﷺ اتنے خوش تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی چالیس بیٹیاں آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دینے کے لئے راضی تھے اور جن کے متعلق حضورؐ نے یہ بشارت دی تھی کہ ((لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ وَرَفِيْقِي يعني فِي الْجَنَّةِ عُثْمَان)) (ترمذی) یعنی "جنت میں ہر نبی کے ساتھ اس کی اُمت سے ایک رفیق ہوگا اور عثمان (رضی اللہ عنہ) میرے رفیق ہیں' وہ جنت میں میرے ساتھ ہوں گے۔"

وہ بزرگ ہستی انتہائی مظلومیت کی حالت میں قتل ہوئی جو کاتب وحی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "بخدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے اور حضورؐ پر اس حال میں وحی نازل ہوتی کہ حضورؐ اپنی پشت سے مجھ پر سہارا لگائے ہوئے ہوتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ لکھو"۔ چنانچہ کتب سیر میں منقول ہے کہ جب باغیوں کے حملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا تو آپؓ

نے فرمایا : "یہ وہی ہاتھ ہے جس نے سورِ مفصل کو لکھا تھا" ـــــ وہ مبارک شخصیت حالت محصوری میں شہید کی گئی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اُمت پر یہ احسان فرمایا کہ پوری اُمت کو ایک مصحف پر مجتمع اور متفق کر دیا۔ آج ہم جس قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں وہ اُمت تک بہ کمال و تمام صحت کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی بدولت منتقل ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے بعد (جو دورِ عثمانی میں ہوئی تھی) مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عراق و شام میں قراءتِ قرآن کے اندر مسلمانوں کے اختلاف کا ذکر بڑی تشویش کے ساتھ کیا اور کہا "یا امیر المومنین! یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف ہونے سے پہلے اس کا تدارک کر لیجئے۔" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین حضرت حفصہ بنتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہا سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع کیا ہوا مصحف منگوا بھیجا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کو قریش کی زبان کے موافق لکھوایا' اس لئے کہ قریش کی زبان ہی میں قرآن حکیم نازل ہوا تھا' اور اس مصحف کی نقول تمام بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیں۔

وہ معتمد شخصیت مظلومانہ طور پر شہید کی گئی جس پر رسول اللہ ﷺ کو' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کامل اعتماد تھا اور جو ہر نازک موقع پر مشوروں میں شریک رہے۔ یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ مرض الموت میں جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے جانشین کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے وصیت لکھوا رہے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھوانے سے قبل آپؓ پر غشی طاری ہو گئی' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا۔ جب غشی دُور ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا "پڑھئے کیا لکھا ہے"۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام سنا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں اور کہا "آپ نے عمر کا نام اس لئے لکھ دیا کہ مبادا اس غشی میں میری جان چلی جائے۔"

جنت کے بشارت یافتہ اُس امام وقت کا خونِ ناحق بہایا گیا جن سے احادیث کی معتبر کتابوں میں ایک سو چالیس حدیثیں مروی ہیں' جن میں وہ مشہور حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے اور ہماری دعوت رجوع الی القرآن میں رہنما اصول کے طور پر

شامل ہے کہ :((خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ)) "تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"۔ آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے کہ جس مؤمنِ صالح نے چالیس حدیثیں یاد کرلیں تو وہ قیامت کے روز علماء کے زمرے میں اٹھایا جائے گا' تو جن کو ایک سو چالیس احادیث نہ صرف یاد ہوں بلکہ انہوں نے آنحضور ﷺ سے سن کر روایت کی ہوں' ان کے مرتبے اور مقام علو کا کیا کہنا!

اُس عالی مقام بزرگ کو شہید کیا گیا جس سے خدا بھی راضی تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی راضی تھے۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "ایک دن حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا نے آنحضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میرا شوہر بہتر ہے یا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا؟ حضورؐ نے کچھ دیر سکوت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ "تمہارا شوہر اُن لوگوں میں سے ہے جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتے ہیں اور خدا اور رسولؐ ان کو دوست رکھتا ہے" ـــــ پھر حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ :"میں تم سے اس سے بھی زیادہ بیان کرتا ہوں' وہ یہ کہ میں (معراج میں) جب جنت میں داخل ہوا اور عثمان کا مکان دیکھا تو اپنے صحابہ میں سے کسی کا ایسا نہیں دیکھا' ان کا مکان سب سے بلند تھا"۔ اس روایت کے ساتھ ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ :"میں کہتا ہوں کہ یہ بلوے پر صبر کرنے کا ثواب ہے"۔

شہادت سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تقریباً پچاس دن محاصرے کی حالت میں رہے اور اس دوران بلوائیوں نے پانی کا ایک مشکیزہ تک امامِ وقت کے گھر میں پہنچنے نہیں دیا۔ ان مفسدین کی شقاوتِ قلبی دیکھئے کہ اس شخص پر پانی بند کردیا گیا جس نے اپنی جیب خاص سے بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ دگرگوں حالات کے باعث اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کی وہ امانتیں لینے جانا چاہتی تھیں جو آپ کے پاس محفوظ تھیں اور اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے پانی کا ایک مشکیزہ بھی ساتھ لے لیا' لیکن باغیوں نے نیزوں کے پھلوں سے مشکیزے میں چھید کردیئے' اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کی اور ان کو اندر نہیں جانے دیا۔

یہی واقعہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ان دونوں صاحبزادوں کے ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پانی کی ایک مشک بھیجی۔ ان کا خیال تھا کہ بلوائی کم از کم حسنین رضی اللہ عنہما کا تو لحاظ کریں گے۔ لیکن ظالموں نے ان کی بھی پرواہ نہیں کی اور مشک کو نیزوں سے چھید دیا۔

ایک طبقہ کی طرف سے کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کی پیاس کے تذکرے کو اتنا عام کیا گیا' اتنا پھیلایا گیا اور مسلسل پھیلایا جاتا ہے کہ اہل سنت کے ذہنوں پر بھی یہی بات مسلط ہے کہ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پانی بند کر کے جس ظلم اور شقاوتِ قلبی کا مظاہرہ کیا گیا تھا اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بلاشبہ یہ انتہائی شقاوت تھی' اس سے انکار نہیں' لیکن اس کے اس قدر چرچے کی اصل غایت یہ ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پچاس دن رات پانی بند رکھنے کے باعث اس امام برحق اور اس کے اہل خاندان پر جو مصیبت گزری تھی وہ مسلمانوں کے اجتماعی حافظے سے محو ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت کے عوام تو درکنار اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی یہ معلوم تک نہیں کہ خلفائے راشدین میں سے تیسرے خلیفہ' فضیلت کے لحاظ سے پوری اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تیسرے مقام پر فائز شخصیت' نبی اکرم ﷺ کے دوہرے داماد کس بہیمانہ ظلم و ستم کا نشانہ بنائے گئے تھے۔ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کتنے دن پانی بند رہا؟ مشہور روایات کے مطابق ۷ محرم الحرام کو تو وہ میدان کربلا میں پہنچے تھے اور ۱۰ محرم کو ان کی شہادت ہو گئی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ چار دن پانی بند رہا۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ دریائے فرات سے کچھ ہی فاصلہ پر مقیم تھا' جہاں تھوڑا سا گڑھا کھودا جائے تو پانی برآمد ہو جاتا ہے' البتہ وہ گدلا اور ناصاف ہوتا ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ گڑھے کھودے گئے اور گدلا پانی فراہم کیا گیا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تو پچاس دن کے لگ بھگ پانی بند رکھا گیا اور وہ اپنے مکان کے بالاخانے کی بالکونی سے بلوائیوں اور محاصرہ کنندگان سے فریاد کرتے رہے کہ: "میں تم کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں' کیا تم جانتے ہو کہ ہیررومہ سے کوئی شخص بلاقیمت پانی نہیں پی سکتا تھا' پھر میں نے اس کو خرید کر وقف کر دیا تو امیر و غریب اور مسافر سب اس سے سیراب ہوتے ہیں"۔ لوگوں نے کہا

"ہاں ہم جانتے ہیں"۔ لیکن اس کے باوجود ان ظالموں کی طرف سے امام مظلوم رضی اللہ عنہ کو پانی پہنچنے نہیں دیا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیاس کا اتنا چرچا کیا گیا' اس میں اتنی رنگ آمیزی کی گئی اور ان کی پیاس کی مبالغہ آمیز داستان اس لئے گھڑی گئی تاکہ اُمت کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیاس یاد نہ رہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مظلومیت کا رنگ اس لئے چڑھایا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومیت آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ ایک واقعہ کو پورے ڈرامائی انداز سے ـــــ جو اپنی جگہ کتنا ہی المناک کیوں نہ ہو ـــــ عوام الناس میں اس طرح پھیلا دیا گیا ہے کہ اب کوئی جانتا ہی نہیں کہ اُمت کے اصل مظلوم شہید حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ہر سال اس کا اتنا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ گویا تاریخ اسلام میں کوئی اس سے زیادہ المناک اور عظیم سانحہ وقوع پذیر ہوا ہی نہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سانحہ کربلا بھی انتہائی المناک تھا اور یہ تاریخ اسلام کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے لیکن ہر واقعے اور سانحے کا ایک مقام اور مرتبہ ہے' اس کو اسی مقام پر رکھنا چاہئے' افراط و تفریط سے عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی' مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت انتہائی قابل افسوس حادثہ ہے' لیکن آپؓ میدان جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ مدمقابل دشمن کو قتل بھی کیا اور مقتول بھی ہوئے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ چاہے ایک کا ایک سو سے مقابلہ ہو' لیکن جب کوئی میدان جنگ میں ہے اور اس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہے تو "یَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ" والا معاملہ کسی نہ کسی درجے میں تو درپیش ہے۔ مقابلہ کرنے والا قتل بھی کرتا ہے اور مقتول بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ صورت حال بالکل دوسری ہے ـــــ لیکن ذرا تقابل تو کیجئے میدان کربلا کے میدانِ کارزار کا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریباً پچاس دن کے محاصرے کے بعد شہادت کا۔ وقت کی عظیم ترین سلطنت کا فرمانروا' جس کی حدودِ مملکت کا یہ عالم ہو کہ حضرت ذوالقرنین جیسے عظیم بادشاہ کی سلطنت سے بھی سہ چند ـــــ وہ اگر ذرا اشارہ کردے تو اتنی فوجیں جمع ہو سکتی ہیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ مصر' شمالی افریقہ' شام و فلسطین' یمن' نجد' حجاز' عراق اور ایران کے جان نثار گورنرز' سب ان کے ایک حکم پر لشکرِ جرار کے ساتھ حاضر ہو سکتے تھے ـــــ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتہائی اصرار کرتے رہے کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم ان بلوائیوں، شورش پسندوں، فتنہ گروں اور باغیوں سے نمٹ لیں۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان پر ایک حکم تھا کہ "نہیں"۔ اگر اس پیکر صبر و رضا کی زبان سے ایک لفظ بھی اجازت کا نکل جاتا تو بلوائیوں اور باغیوں کی تِکہ بوٹی ہو جاتی اور ان کا نام و نشان ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا ـــــ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس آزمائش میں صبر و ثبات، حلم و تحمل اور قوت برداشت کے کوہ ہمالیہ نظر آتے ہیں۔ انہیں اپنی جان دینا قبول ـــــ اپنی بے حرمتی منظور ـــــ لیکن یہ بات کسی حال میں منظور نہیں کہ ان کی وجہ سے کسی بھی کلمہ گو کے خون کی ایک بوند گرے۔

صبر و تحمل کی عظیم مثال

میں حیران ہوتا ہوں ان لوگوں کی عقل اور سمجھ پر جو کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کمزور طبع تھے۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کے بندو! غور کرو، کوئی کمزور آدمی ایسا دیکھا ہے جو ان حالات میں، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیش آئے، تحمل و حلم اور صبر و ثبات کا بے نظیر مظاہرہ کر سکے۔ جب بلی کی جان پر بن آتی ہے تو وہ پکڑنے والے کے حلقوم پر جھپٹا مارنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اِدھر حال یہ ہے کہ ایک اشارے پر بے شمار جاں نثار جمع ہو سکتے ہیں، جو پسینے کی جگہ خون بہانا اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں۔ کمزور آدمی تو فوراً مشتعل ہو جاتا ہے، کمزور آدمی میں حلم کہاں اور تحمل کہاں؟ ـــــ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ساری قوت، سارے وسائل اور سارا دبدبہ رکھتے ہوئے بھی اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ چاہے میری جان چلی جائے، میرا خون بہہ جائے، لیکن میں اپنی حفاظت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کے لئے تیار نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے تو ہمارے ہاتھ باندھ دیئے ہیں، ہم کریں تو کیا کریں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ بلوائیوں کی کل تعداد اٹھارہ سو تھی۔ بعض لوگ تعجب کرتے ہیں کہ عین دار الخلافہ میں اٹھارہ سو نفوس کس طرح پچاس دن محاصرہ کے بعد خلیفہ وقت کو قتل کر گئے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پابند کر دیا تھا کہ میری مدافعت کے لئے تلوار نہیں اٹھائی جائے گی، میں کسی

کلمہ گو کے خون کی چھینٹ اپنے دامن پر برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بلوائی بلاشبہ باغی تھے' منافق تھے' لیکن تھے تو کلمہ گو۔ یاد کیجئے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے گستاخانہ رویہ پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ نہیں عمر! وہ کچھ بھی ہو' اس کو کلمہ کا تحفظ حاصل ہے۔ عین حالت جنگ میں ایک شخص نے اُس وقت جبکہ وہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی زد میں آگیا تھا' کلمہ پڑھ دیا' لیکن انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ انہوں نے وہی کچھ سمجھا جو ایسے موقع پر ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ جب حضور ﷺ کے علم میں یہ بات آئی اور حضور ﷺ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی کہا کہ حضورؐ! اس نے تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : اے اُسامہ! قیامت کے دن کیا کرو گے جب وہ کلمہ تمہارے خلاف استغاثہ لے کر آئے گا' جس کی ڈھال ہوتے ہوئے تمہاری تلوار اس شخص کی گردن پر پڑی ـــــ اِدھر یہ بلوائی کلمہ کی ڈھال لئے ہوئے تھے' اُدھر معاملہ تھا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے' جو ایک طرف "کامل الحیاء والایمان" تھے تو دوسری طرف صبر و ثبات اور حلم و تحمل کی آہنی چٹان تھے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان بلوائیوں کے خون کا ایک چھینٹا تک ڈھونڈے سے کہیں نظر نہ آتا۔ ایسی ہستی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کمزور طبع تھے۔ کمزور طبع شخص تو مایوسی کے عالم میں انتہائی مشتعل (Desperate) ہو جاتا ہے اور وہ کچھ کر گزرتا ہے جو عام حالات میں کسی زور آور اور مضبوط انسان سے بھی بعید ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کا یہ حصہ گواہی دے رہا ہے کہ آپؓ صبر و استقامت کے ایک پہاڑ تھے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مغالطوں' غلط فہمیوں اور فریبوں کے پردے چاک ہوں۔

اس ضمن میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں درج کی ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ امیر المومنین! میں آپ کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں' ان میں سے کوئی ایک اختیار فرما لیجئے' ورنہ یہ بلوائی آپ کو ناحق قتل کر دیں گے۔ یا تو آپ

باہر نکل کر ان بلوائیوں سے مقابلہ کیجئے' مدینہ میں بہت سے لوگ آپ کے ساتھ ہیں' آپ کو قوت و شوکت حاصل ہے' آپ حق پر ہیں اور یہ باطل پر' لہٰذا یہ بلوائی ہرگز مقابلے میں نہ ٹھہر سکیں گے۔ یا پھر اپنے مکان کی پشت پر ایک نیا دروازہ نکلوا لیجئے اور سواریوں پر سوار ہو کر مکّہ مکرمہ چلے جایئے۔ اس طرح یہ لوگ مکہ کی حرمت کی وجہ سے آپ پر دست درازی نہ کر سکیں گے اور آپ قتل سے محفوظ رہیں گے۔ یا پھر آپ شام چلے جایئے جہاں کے لوگ آپ کے وفادار ہیں اور جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان تینوں تجویزوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ لڑنے کے متعلق تو یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں پہلا خونریز خلیفہ بنوں اور اپنی مدافعت میں مسلمانوں کا خون مسلمانوں کے ہاتھوں بہانے کا سبب بنوں۔ مکہ اس لئے نہیں جاؤں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ قریش کے جس شخص کی وجہ سے مکہ میں ظلم ہو گا اس پر نصف عالم کے برابر عذاب ہو گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں ہی وہ شخص بنوں۔ جبکہ دار الہجرت اور نبی اکرم ﷺ کا قرب چھوڑ کر شام چلے جانا مجھے کسی طرح گوارا نہیں۔

ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بلوائیوں کا محاصرہ توڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: "انصار دروازے پر موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ہم دو مرتبہ انصار اللہ بن جائیں"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "میں قتال کی اجازت نہیں دے سکتا"۔ اسی قسم کی ایک روایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ: "انصار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: یا امیر المومنین! ہم چاہتے ہیں کہ خدا کی دوسری مرتبہ مدد کریں۔ ایک مرتبہ تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی تھی' اب دوسری مرتبہ آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں' میں اپنے لئے ہرگز خوں ریزی کی اجازت نہیں دوں گا۔ تم واپس چلے جاؤ"۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مزید کہتے ہیں کہ بخدا اگر وہ لوگ صرف چادروں سے آپ رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرتے تو آپ کو بچا لیتے۔ ایسے شخص کے متعلق یہ حکم لگانا کہ وہ کمزور طبع تھے' انتہائی ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ میں پھر یہی عرض کروں گا کہ ایسے لوگوں میں خود عقل نہیں یا وہ دوسرے سب لوگوں کو اتنا بے وقوف سمجھتے ہیں کہ جو بات یہ کہہ دیں وہ باور کر

لی جائے گی۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ساری کوشش کرنے بلکہ اپنی جان دے کر بھی فتنہ کو نہ روک سکے تو ان کی شجاعت، جرأت اور شیر خدا ہونے پر کوئی نقص واقع نہیں ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیسے کمزور ہو گئے، جبکہ انہوں نے بھی اپنا خون صرف فتنہ کو سر اٹھانے کا موقع نہ دینے کی وجہ سے دے دیا۔

میرے نزدیک اس بات کی مسلمانوں میں خوب نشر و اشاعت کی ضرورت ہے کہ ہمارے نزدیک میدان قتال میں کفار کے ہاتھوں شہید ہونے والوں میں پوری اُمت میں سب سے افضل حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کا اعضاء بریدہ اور مُثلہ شدہ لاشہ اس حال میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے تھا کہ پیٹ چاک اور کلیجہ چبایا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو ترجمان وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے "سَیِّد الشُّھَدَاء" کا لقب دیا تھا۔ اُمت کی تاریخ میں دوسرا المناک سانحہ ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چراغِ حیات کا گُل ہونا تھا۔ اسی طرح ایک نام نہاد کلمہ گو کے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی امت کے لئے ایک سانحۂ فاجعہ سے کم نہیں ـــــ لیکن مظلومیت کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ المناک، سب سے زیادہ دردناک اور سب سے زیادہ عظیم سانحہ فاجعہ امامِ برحق، خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ان سب کے بعد آتی ہے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ناحق ہی تھا جس کی وجہ سے اللہ کا غضب آیا اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں چوراسی ہزار مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں شہید ہوئے، خون کی ندیاں بہہ گئیں، فتوحات کا سلسلہ رک گیا اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی ـــــ مسلمانوں میں ایسا تفرقہ پڑا کہ چودہ سو سال بھی اس کو پاٹ نہ سکے بلکہ وہ ہر دور میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ میدان کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ذمہ دار بھی دراصل وہی سازشی لوگ تھے جن کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں ۱۸ ذوالحجہ ۳۶ ہجری کو امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کئے گئے، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر واویلا اور ماتم کرنے والے بھی درحقیقت اکثر و بیشتر وہی لوگ ہیں جن کے دامن خونِ عثمان، خونِ علی اور خونِ حسین رضی اللہ عنہم سے داغدار ہیں۔

(جاری ہے)

اسلامی نظامِ اَخلاق
اور ہماری ذِمّہ داریاں

——— پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف ہزاروی ———

اس جدید سائنسی دور میں انسان کی تمام تر کاوشیں اور جدوجہد سیاسی، معاشی اور تمدنی مسائل کے حل کے لئے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ مسائل جس قدر آج الجھاؤ کا شکار ہوتے چلے جارہے ہیں اس سے قبل اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس صورت حال نے یہ حقیقت اظہر من الشمس کردی ہے کہ یہ تمام مسائل ایک بنیادی مسئلہ کی وجہ سے ابھی تک حل نہیں ہو سکے۔ گزشتہ دو صدیوں میں انسانوں نے جس قدر سیاست، معیشت اور علم وادب کے میدان میں ترقی کی، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ یہ مسائل کب کے حل ہو جاتے لیکن ان کا حل نہ ہونا اور مسلسل بگڑتی ہوئی صورت اختیار کرتے چلے جانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ جب تک ہم اخلاقی اقدار کو نظرانداز کئے رکھیں گے دنیا میں پائی جانے والی بدامنی، فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑے شدت اختیار کرتے جائیں گے۔ انسان کا اخلاقی کردار ہی وہ واحد سرچشمہ ہے جس سے اس کے معاشی، سیاسی اور تمدنی اعمال کے چھوٹے چھوٹے چشمے جاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب تک اخلاقی بنیاد صحیح نہ ہوگی انسان زندگی میں اطمینان وسکون اور اعمال میں لطافت حسن وجمال کی رعنائی پیدا نہیں ہو سکتی۔

اسلام ایک ایسا فطرتی ضابطۂ حیات ہے کہ جس نے قیامت تک آنے والی نسل انسانی کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ایسے زریں اصول عطا فرمائے ہیں جسے آج تک کوئی جھٹلا نہیں سکا۔ انہی زریں اصولوں میں سے اخلاق ایک ایسا فطری، کامل ومکمل اور ارفع واعلیٰ نظام ہے جس کی بدولت معاشرہ انسانی ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے۔

اَخلاق خُلق کی جمع ہے، جس کے معنی ومفہوم کے بارے میں امام راغب اصفہانی

لکھتے ہیں :

"خص الخَلق بالهيئات والاْ شكال و الصور المدركة بالبصر وخص الخُلق بالقوى والسجايا المدركة بالبصيرة" [۱]

"خَلق ہیئت اور شکل انسانی کے ساتھ خاص ہے اور خَلق کے محاسن کا مشاہدہ نگاہ کرتی ہے' جبکہ خُلق کا لفظ عادت اور خصلت کے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور محاسنِ خُلق کا احساس بصیرت سے ہوتا ہے۔"

خُلق وہ عادات ہیں جو بلا تامل اور بلا تکلف صادر ہوتی ہیں۔ امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں خلق کی تشریح کرتے ہوئے فضائل اخلاق اور رزائل کی وضاحت اس عمدہ انداز سے کی ہے کہ اس سے لفظ خُلق میں پوشیدہ تمام امور واضح ہو جاتے ہیں۔

فالخُلق عبارة عن هيئة فى النفس راسخة عنها تصدر الافعال بسهولة ويسر من غير حاجة الى فكر و روية فان كانت الهيئة بحيث تصدر عنها الافعال الجميلة المحمودة عقلاً وشرعًا سميت تلك الهيئة خُلقا حَسنًا وان كان الصادر عنها الافعال القبيحة سميت الهيئة التى هى المصدر خُلقا سيئًا۔ [۲]

"خُلق نفس کی اس عادت راسخہ کا نام ہے جس سے سارے افعال بغیر کسی تامل و تردد اور تکلف کے ظاہر ہوتے ہیں اور اگر یہ افعال شرعی اور عقلی لحاظ سے احسن اور لائق تحسین ہوں تو اس ہیئت یا عادت کو حسن خلق اور اگر قابل مذمت ہوں تو خلق بد کہا جاتا ہے۔"

اخلاق وہ حسن خُلق ہے جس کی بنا پر نفس اچھی عادتوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور انسان انبیاء کرام' صدیقین' شہداء' اور صالحین کے نقش قدم پر چلنے لگتا ہے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ نیکی اور گناہ کیا ہے' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((البر حسن الخلق والاثم ماحاک فی صدرک وکرهت ان يطلع عليه الناس)) [۳]

"نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں خلش پیدا کر دے اور تو

اس بات کو اچھا نہ جانے کہ لوگ اس بات سے مطلع ہو جائیں۔"

ایک مسلمان کی زندگی میں حسن خلق کی کس قدر اہمیت ہے اس کی وضاحت رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جو امام ترمذیؒ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا : "قیامت کے روز جب حساب و کتاب ہو گا تو حسن خلق سے زیادہ قابل قدر کوئی چیز نہ ہو گی۔" اس حدیث کو ابو داؤدؒ نے اپنی سنن اور احمد بن حنبلؒ نے مسند میں بھی نقل کیا ہے۔ امام ترمذی کے مطابق اس حدیث کا شمار صحیح احادیث میں ہوتا ہے"{۴}

خود سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا :

((بعثت لا تمم حسن الاخلاق)) {۵}

"مجھے حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔"

ایک طرف جہاں اخلاق کی وسعت اور ہمہ گیری کی نشاندہی ہوتی ہے تو دوسری طرف یہ عیاں ہو رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کا مقصد بنی نوع انسان کو اخلاق کریمانہ سے متصف کرنا ہے۔ قرآن حکیم نے بڑے پیارے انداز میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آمد کا ذکر مبارک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :

﴿ كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾

(البقرۃ : ۱۵۱)

"جس طرح (من جملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمہی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔"

اس موضوع و مضمون کو قرآن کریم نے سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا اور اسے خداوند کریم کا عظیم احسان قرار دیا کہ ایک ایسا رسول عطا کیا جا رہا ہے جس کی آمد کا مقصود و منشا یہ ہو گا کہ وہ لوگوں کا تزکیہ نفس کرے گا اور انہیں اخلاق عالیہ کی معراج سے متصف فرما کر اشرف المخلوقات کے اعلیٰ منصب پر فائز فرما دے گا۔ خود نبی رحمت ﷺ نے قرآن

کریم کی عملی تصویر بن کر لوگوں پر واضح فرمادیا کہ کامیاب اور نفع مند زندگی گزارنے کا راز اسی میں مضمر ہے کہ فضائل اخلاق کو کمال سعادت مندی سے اپنی زندگی کا نصب العین بنایا جائے۔ اسی طرح انسان صحیح معنوں میں مسجود ملائکہ ٹھہرنے کا حقدار بنتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؓ نے ارشاد فرمایا : "کان رسول اللہ ﷺ خلقه القرآن"{۶}

نبی رحمت ﷺ کی ساری زندگی اُمت مسلمہ کے لئے سراپا ہدایت و نمونہ ہے۔ قرآن کریم سے لے کر تاریخ کی کتب تک آپ کی حیات مبارک کے نقوش ان میں ثبت ہیں۔ سیرت سرورِ دو عالم ﷺ کا ہر پہلو خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی' معاشرتی ہو یا معاشی' غرض تمام پہلو محفوظ ہیں اور اُمت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ اخلاق عظیمہ کے مالک تھے۔ خود قرآن کریم کی شہادت موجود ہے ﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (القلم : ۴) "اور آپ کے اخلاق بڑے (عالی) ہیں۔"

یہاں ان تمام قرآنی آیات اور احادیث رسول معظم ﷺ کو بیان نہیں کیا جا سکتا جن کا تعلق اخلاقیات سے ہے کیونکہ قرآن کریم اور احادیث کا ایک ضخیم حصہ اس موضوع پر مشتمل ہے۔ سرکار دو جہاں ﷺ کی مدنی حیات طیبہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک اسلامی مملکت معرض وجود میں آچکی تھی اور ایک مستحکم اسلامی معاشرہ قائم ہو چکا تھا۔ اس اسلامی معاشرہ اور مملکت کی بنیاد میں اخلاقی اقدار کا ایک بڑا حصہ تھا۔ آپؐ کی تیرہ سالہ مکی زندگی کی اخلاقی تربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ صحابہ کے دلوں میں ایک زبردست طاقتور ضمیر بیدار ہو چکا تھا۔ اسی کی بدولت "مواخات مدینہ" کا عملی مظاہرہ ہوا۔ ابھی آپ مکہ مکرمہ میں ہی تھے کہ حضرت ابو ذر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بھائی کو آپؐ کے حالات اور تعلیمات کا جائزہ لینے کے لئے مکہ بھیجا۔ واپس آکر انہوں نے اپنے بھائی کو آپؐ کی نسبت ان الفاظ میں اطلاع دی : رایتہ یأمر بمکارم الاخلاق {۷} "میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ (ﷺ) لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں۔"

ہجرت حبشہ کے موقع پر نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی اس کے چند فقرے یہ ہیں : "اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے' بتوں کو پوجتے

تھے' مُردار کھاتے تھے' بد کاریاں کرتے تھے' ہمسایوں کو ستاتے تھے' بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا' زبردست زیردستوں کو کھا جاتے تھے' اسی اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا' اس نے ہمیں سکھایا کہ ہم پتھروں کو پُوجنا چھوڑ دیں' سچ بولیں' خونریزی سے باز آجائیں' یتیموں کا مال نہ کھائیں' ہمسایوں کو آرام دیں' پاک دامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔"{۸}

سورۃ الحجرات میں ان اخلاقی اقدار پر عمل کرنے کو کہا گیا جن کا ذکر سورۃ الممتحنہ کی آخری آیات میں ہے کہ خواتین سے ان باتوں پر بیعت لی جائے کہ وہ ان اخلاقی اقدار پر عمل پیرا ہوں :

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ' اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الممتحنہ : ۱۲)

"اے پیغمبر جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی' نہ چوری کریں گی' نہ بد کاری کریں گی' نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی' نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی' نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے خدا سے بخشش مانگو' بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہ مسلمہ امر ہے کہ کوئی معاشرہ اس وقت تک صحت مند معاشرہ نہیں بن سکتا جب تک اس معاشرے کے افراد صالح نہ ہوں۔ افراد کی انفرادی و اجتماعی اخلاقی تربیت اور کردار سازی معاشرے کی تعمیر کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن کریم نے اتنی تفصیل سے ان تمام محاسن اخلاق کا نام لے کر ذکر کیا ہے کہ ان سب کو یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا جس پر عمل پیرا ہو کر ہم صحیح معنوں میں مومن کہلانے کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ سورۃ الفرقان میں "عباد الرحمٰن" کے خصائص کو تفصیلی طور پر بیان فرمایا گیا ہے ـــــ اور سورۃ البقرۃ کا آغاز ہی اس سے ہو رہا ہے کہ ایک متقی شخص میں کن کن اوصاف کا پایا

جانا ضروری ہے۔

عدل و احسان، صبر و شکر، جرأت و بہادری، توکل، اخلاص و صدق، امانت و دیانت، عفو و کرم، نصیحت، حیا، عفت و عصمت، تحمل و بردباری، سخاوت و خیرات، ایفائے عہد، شرم و حیا، حلم و وقار، خوش خلقی و فیاضی، غم خواری و غمگساری، صلہ رحمی، چھوٹوں سے محبت، بڑوں کا احترام، مہمان نوازی، اولوالعزمی و استقلال، پابندی وقت اور تواضع وغیرہ یہ ہیں وہ اعلیٰ و ارفع فضائل اخلاق جو انسانی کردار کی بطریق احسن تعمیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک اعلیٰ ترین نعمت یہ ہے کہ خدا اپنے بندے کو حسن خلق سے نواز دیتا ہے۔ اگر ہر شخص اسلامی نظام اخلاق کی جزئیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا احتساب کرے تو معاشرہ ہر برائی سے پاک ہو سکتا ہے۔ آج اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دینے سے معاشرہ میں کہیں تو عفت و عصمت کی دھجیاں اُڑ رہی ہیں، کہیں قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، فرقہ وارانہ فسادات، دہشت گردی، سفارش و رشوت، اقربا پروری، دروغ گوئی اور ظلم و تشدد نے انسانی آرام و سکون کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ آج ہر کوئی دوسرے کا احتساب کرنے کی بات کرتا ہے لیکن اپنے احتساب کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ "دوسروں کی آنکھ کا تنکا تو نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔"

قرآن کریم نے فضائل اخلاق کی تعلیمات کے ساتھ وہ اسباب و وجوہات بھی بیان کی ہیں جن کی بدولت انسان اخلاقی اقدار کو پامال کر کے بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک اور بات بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید نے اپنی فصاحت و بلاغت کے بے مثل ہونے کا ایک ثبوت یہ دیا کہ ان تمام وجوہات و اسباب کو ایک ہی آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ، ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ ﴾

(آل عمران: ۱۴)

"لوگوں کو ان کی خواہشات کی چیزیں یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان زدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہے' (مگر) یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور خدا کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔"

ان مرغوبات میں سرفہرست عورت ہے۔ حب زن' زر اور جاہ و اقتدار کی طلب نے انسان کو اخلاقی بے راہ روی کا شکار کر دیا ہے۔ یہاں دو باتیں قابل غور ہیں : "ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" اور "وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ" کہ ایک طرف تو یہ فرمایا کہ دنیوی زندگی بسر کرنے کے لئے ان اشیاء کا جائز استعمال ضروری ہے اور دوسری طرف فرمایا کہ یہ سب کچھ فانی ہے۔ ایک مومن کا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ وہ ان چیزوں سے نفع حاصل کرے تو رضاء الٰہی کے مطابق اسلامی اخلاقی اقدار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ اپنی تمام دنیوی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور صرف انہی چیزوں کی تگ و دو میں نہ لگا رہے بلکہ متاع دنیا کو اخروی نعمتوں کے حصول پر قربان کر دے اور اس کی زندگی ﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴾ (الانعام : ۱۶۲) کا مظہر بن جائے۔

آج جو لوگ اخلاقی قدروں کو پامال کر رہے ہیں وہ اتنے ہی بے راہ روی کا شکار بنتے جا رہے ہیں۔ تہذیب حاضر کی چمک دمک' مادیت کی دوڑ اور فکری الحاد نے لوگوں کو اخلاقی قدروں سے بیگانہ کر دیا ہے۔ صرف ایک حیاء کے ختم ہو جانے پر معاشرے کے اندر لاکھوں برائیاں جنم لے رہی ہیں۔ حیا کا پردہ چاک ہونے پر رشوت و سود خوری عام ہو رہی ہے۔ آئے دن اخبارات میں ایسی ایسی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ بارہا حوا کی بیٹی کی عزت و ناموس کی سرعام دھجیاں اڑائی گئی ہیں' گینگ ریپ کے واقعات عام ہوتے جا رہے ہیں جنہیں سن کر ایک مسلمان لرز جاتا ہے۔ عورتوں نے حیا کا لباس اتار دیا۔ سماجی تقریبات میں شریک عورتوں میں سے جس نے لباس سے پورے جسم کو ڈھانپ رکھا ہو اسے "پینڈو" یا بنیاد پرست کا نام دے کر مذاق

اڑایا جاتا ہے جبکہ نیم عریاں لباس پہننا فیشن اور زندگی کا لازمی جزو بن گیا ہے۔ آج بھی پاکستانی معاشرہ قرون اولیٰ کی یاد زندہ کر سکتا ہے اگر ہم قرآن مجید کے اس اصول کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں' فرمایا :

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ' اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ○ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ... ﴾ (النور : ۳۰'۳۱)

"(اے نبی!) مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں' یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے' اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ اس سے خبردار ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیورات کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے' اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں۔"

صرف حیا کو مرد و عورت اپنا لباس بنالیں اور اسلامی نظام اخلاق پر عمل پیرا ہو جائیں تو معاشرہ سے ہزاروں جرائم خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ قتل و غارت کا بازار اس لئے گرم ہے کہ ہمارے اندر برداشت کا مادہ ختم ہو چکا ہے۔ عفو و کرم کا دامن چھوڑنے سے بھائی بھائی کی گردن کاٹ رہا ہے' عصبیت کا شکار ہو کر ایک خاندان دوسرے خاندان کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ انتقام سے فوری طور پر دھاک تو بیٹھ سکتی ہے مگر معاشرہ میں پائیدار امن تو عفو و درگزر کے وسیلہ سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ آج ہم خود پسندی' تنگ ظرفی فحش کلامی' خیانت' جھوٹ' وعدہ خلافی' احسان فراموشی' غیبت و چغل خوری' غرور و تکبر' حرص و طمع اور نہ جانے کن کن بیماریوں میں مبتلا ہیں۔

وطن عزیز پاکستان کی ترقی و عزت اور حیات اُخروی کے ساتھ ساتھ دُنیوی زندگی میں سرفراز ہونے کے لئے ہمیں ان صفات مذمومہ کا لبادہ اتارنا ہو گا۔ ہر شخص کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے آپ کو اخلاق عالیہ سے آراستہ کرے۔ جب ہر فرد اپنی اصلاح' احتساب اور ذمہ داریوں کا احساس کرے گا تو پھر ہر طرف خیر و

امن اور سلامتی کا دور دورہ ہو گا۔ پھر ملکی سیاست ، معاشی کاروبار' انفرادی کردار' عدالت' معاشرت' شہری زندگی' بازار' مدرسہ' عائلی معاملات' پولیس لائن' چھاونی' میدان جنگ اور بین الاقوامی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ کے معاملات خود بخود حل ہو جائیں گے اور ہم پوری طرح ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں گے جو اسلامی نظام اخلاق نے ہم پر عائد کی ہیں۔

حوالہ جات

{۱} الراغب الاصفہانی' المفردات فی غریب القرآن' مصر' بدون تاریخ الطبع' ص ۱۵۷' ۱۵۸

{۲} ابو حامد محمد بن الغزالی' احیاء علوم الدین' مصر' ۱۹۳۹ء الجزالثالث' ص ۵۲

{۳} الخطیب التبریزی' مشکوٰۃ المصابیح' دمشق ۱۹۶۱ء الجزء الثانی ص ۶۲۹

{۴} ترمذی محمد ابو عیسیٰ' جامع الترمذی' بلد ۶' ص ۱۱۳ (حدیث نمبر ۲۰۰۳)

{۵} الخطیب التبریزی' مشکوٰۃ المصابیح' الجزء الثانی ص ۶۳۲

{۶} ابو حامد محمد بن الغزالی' احیاء علوم الدین' الجزء الثانی ص ۴۸

{۷} مسلم بن حجاج' صحیح مسلم (مناقب ابی ذر) مصر جلد دوم ص ۳۴۹

{۸} احمد بن حنبلؒ' المسند' جلد اول ص ۲۰۲' ابن ہشام ذکر واقعہ ہجرت

گھر بیٹھے جینے کا سلیقہ سیکھیں

ایک بچے کا قول ہے کہ انسان نے بڑی ترقی کی۔ فضاؤں میں اڑنا سیکھا' سمندروں میں غوطہ لگانا سیکھا' لیکن اس کوشش میں وہ زمین پر رہنا بھول گیا۔ انسان کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے خط و کتابت کورس مرتب کرتے وقت قرآن و حدیث اور جدید علوم' دونوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ زبان سادہ اور عام فہم استعمال کی گئی ہے تاکہ کم اردو جاننے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ فیس میں رعایت اور معافی کی گنجائش ہے۔ تفصیلات کے لئے پراسپکٹس طلب کریں۔

البلاغ فاؤنڈیشن' ۶۰ الف' ایف سی سی' گلبرگ۔17' لاہور

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار (۴)

تالیف : علامہ محمد صالح المنجد' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے
نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

۸) غلطی کرنے والے کے ساتھ جذباتی رویہ اختیار کرنے سے پرہیز :

خاص طور پر جب منع کرتے وقت سختی سے کام لینے کے نتیجہ میں خرابی کا دائرہ وسیع ہونے کا خطرہ ہو۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے اس واقعہ پر غور کریں کہ جب ایک بدّو نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی اس غلطی پر کس رد عمل کا مظاہرہ فرمایا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں : ہم مسجد میں نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور مسجد میں (ایک طرف) کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا : "رُک جاؤ' رُک جاؤ"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "اس کا پیشاب نہ روکو' اسے فارغ ہو لینے دو"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا۔ اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا : "ان مسجدوں میں پیشاب کرنا یا گندگی پھیلانا درست نہیں' یہ تو اللہ کے ذکر کے لئے' نماز کے لئے اور تلاوت قرآن مجید کے لئے ہوتی ہیں"۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے پانی کا ایک ڈول لا کر اس جگہ پر بہا دیا۔ (۱۹)

اَعرابی کی اس غلطی کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے جس قاعدہ پر عمل کیا وہ ہے "آسانی کرنا' مشکل میں نہ ڈالنا"۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کیا گیا ہے : "ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا' لوگ غصہ میں آ کر اس کو پکڑنے کے لئے بڑھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اسے چھوڑ دو' اور اس کے پیشاب

پر پانی کا ایک ڈول بہادو۔ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو' مشکل میں ڈالنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ (۲۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد کو پاک رکھنے کے لئے اور برائی سے منع کرنے کے لئے جوش و جذبہ کا مظاہرہ کیا تھا' جیسے کہ اس حدیث کی مختلف روایات کے الفاظ سے ظاہر ہے' جن میں کچھ الفاظ یہ ہیں : فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ "لوگوں نے اسے بلند آواز سے روکا"۔ فَثَارَ اِلَيْهِ النَّاسُ "لوگ غصے سے اس کی طرف بڑھے"۔ فَزَجَرَهُ النَّاسُ "لوگوں نے اسے ڈانٹا"۔ فَاَسْرَعَ اِلَيْهِ النَّاسُ "لوگ تیزی سے اس کی طرف بڑھے"۔ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ : مَهْ مَهْ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا : رُک جاؤ' رُک جاؤ"۔ (۲۱) لیکن نبی اکرم ﷺ کی نظر نتیجہ پر تھی۔ آپؐ نے دیکھا کہ اس معاملہ میں دو صورتیں ممکن ہیں' یا اُس شخص کو پیشاب کرنے سے منع کیا جائے' یا چھوڑ دیا جائے۔ اگر اسے منع کیا گیا تو اس صورت میں یا تو وہ شخص عملاً پیشاب کرنے سے رُک جائے گا' اس طرح پیشاب روکنے سے اسے نقصان پہنچے گا' یا یہ صورت ہو گی کہ اس کا پیشاب ابھی جاری ہو گا کہ وہ لوگوں کے خوف سے بھاگ کھڑا ہو گا' اس طرح نجاست مسجد میں پھیل جائے گی اور اس شخص کا بدن اور کپڑے بھی ناپاک ہو جائیں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ محسوس فرمالیا کہ اسے پیشاب کر لینے دیا جائے تو کم خرابی لازم آئے گی اور یہ چھوٹی برائی ہو گی۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ آدمی غلطی کا ارتکاب شروع کر چکا ہے اور نجاست کا ازالہ پانی کے ذریعے ممکن ہے۔ اس لئے آپؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا : اسے چھوڑ دو' اسے مت روکو۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ اس طرح مصلحت اور فائدے کو ترجیح حاصل ہو رہی تھی۔ یعنی چھوٹی خرابی کو برداشت کر کے بڑی خرابی کو روکا جا رہا تھا اور چھوٹے فائدہ کو چھوڑنے کے نتیجے میں بڑا فائدہ حاصل ہو رہا تھا۔

ایک روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے دریافت کیا تھا کہ اس نے یہ کام کیوں کیا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں : نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک اَعرابی حاضر ہوا اور مسجد میں آپؐ سے بیعت کی۔ پھر واپس ہوا تو ٹانگیں پھیلا کر کھڑا ہو گیا اور پیشاب کر

دیا۔ لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "اس کا پیشاب نہ روکو"۔ پھر فرمایا : "کیا تو مسلمان نہیں؟" اس نے کہا : "کیوں نہیں؟" فرمایا : "پھر تو نے ہماری مسجد میں پیشاب کیوں کیا؟" اس نے کہا : "قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپؐ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے' میں تو اسے عام زمین کی طرح کی زمین سمجھا تھا' اس لئے میں نے یہاں پیشاب کر لیا"۔ پھر نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دیا گیا"۔ (۲۲)

اس حکیمانہ انداز کے رویہ کا اس اعرابی کے دل پر گہرا اثر ہوا' جس کا اظہار اس کے اپنے الفاظ سے ہوتا ہے جو ابن ماجہ کی روایت میں مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی مسجد میں داخل ہوا' جناب رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا : "اے اللہ! مجھے بخش دے اور محمد ﷺ کو بخش دے' اور ہمارے ساتھ کسی اور کی مغفرت نہ فرمانا"۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا : "تو نے بڑی وسیع چیز (رحمت) کو محدود کر دیا"۔ پھر وہ واپس ہوا' ابھی مسجد کے ایک حصہ میں ہی تھا کہ ٹانگیں پھیلا کر پیشاب کرنے لگا"۔ اس اعرابی کو جب دین کی سمجھ آ گئی تو اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا : "میرے ماں باپ آنحضورؐ پر قربان ہوں' آپؐ اُٹھ کر میرے پاس آئے' پھر مجھے نہ ڈانٹا' نہ برا بھلا کہا۔ فرمایا : "اس مسجد میں پیشاب نہیں کرتے' یہ تو اللہ کے ذکر اور نماز کے لئے بنائی گئی ہے"۔ اس کے بعد آپؐ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا جو پیشاب پر بہا دیا گیا"۔ (۲۳)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں جو فوائد ذکر کئے ہیں' ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

- جاہل کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے' اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کئے بغیر ضروری مسئلہ سمجھایا جائے' جب کہ اس نے یہ غلطی ضد کی بنیاد پر نہ کی ہو' بالخصوص جب کہ اسے تالیف قلب کی ضرورت ہو۔
- اِس واقعہ سے نبی اکرم ﷺ کی شفقت اور حسن خلق کا اظہار ہوتا ہے۔
- اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں یہ مسئلہ خوب جاگزیں تھا

کہ نجاست سے بچنا ضروری ہے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ سے اجازت طلب کئے بغیر ہی اسے روکنا شروع کر دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا لازمی ہونا ان کے نزدیک مسلم تھا۔

- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مانع دور ہوتے ہی خرابی کا ازالہ کرنا چاہئے، کیونکہ اس کے فارغ ہوتے ہی انہیں پانی بہانے کا حکم دے دیا گیا۔ (۲۴)

۹) یہ واضح کر دینا کہ غلطی بہت بڑی ہے :

حضرت محمد بن کعب، حضرت زید بن اسلم اور حضرت قتادہ رحمہم اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی، کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک شخص نے کہا : "ہم نے تو اپنے ان قراء (یعنی رسول اللہ ﷺ اور علماء صحابہ رضی اللہ عنہم) جیسے لوگ کبھی نہیں دیکھے، کھانے پینے کے بے حد شائق، بات کرنے میں انتہائی جھوٹے، اور جنگ کے موقع پر انتہائی بزدل"۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا : "تو جھوٹ کہتا ہے، بلکہ تو منافق ہے، میں یہ بات ضرور رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا"۔ عوف رضی اللہ عنہ یہ بات بتانے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ان کے پہنچنے سے پہلے قرآن نازل ہو چکا ہے (اور حضور علیہ السلام کو وحی کے ذریعے اس بات کی اطلاع ہو چکی ہے)۔ آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی پر کجاوہ کس کر سوار ہو چکے تھے کہ وہ شخص بھی آ پہنچا، اور کہنے لگا : "اللہ کے رسول! ہم تو گپ شپ کر رہے تھے، ہم تو دل لگی کر رہے تھے، ہم تو اس طرح کی باتیں کر رہے تھے جس طرح مسافر کیا کرتے ہیں تاکہ ہمارا سفر (آسانی سے) طے ہو جائے"۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا : وہ منظر گویا اب بھی میرے سامنے ہے جب اس شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی رسی پکڑی ہوئی تھی، اور (راستے کے) پتھر اس کے پاؤں کو زخمی کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا : "ہم تو گپ شپ کر رہے تھے، ہم تو دل لگی کر رہے تھے" اور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے : ﴿أَبِاللّٰهِ وَآيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (التوبہ : ٦٥) "کیا تم اللہ کا، اور اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے؟" آنحضرت ﷺ نہ اس کی طرف توجہ فرماتے تھے، نہ اس سے زیادہ کوئی بات ارشاد

فرماتے تھے۔

ابن جریر نے یہ واقعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' کہ انہوں نے فرمایا : غزوۂ تبوک میں ایک آدمی نے کسی مجلس میں کہا : "ہم نے اپنے اِن قراء (علماء صحابہ) جیسے لوگ کبھی نہیں دیکھے' پیٹ بھرنے کے انتہائی شوقین' زبان کے انتہائی جھوٹے اور جنگ کے موقع پر انتہائی بزدل"۔ مجلس میں موجود ایک صحابی نے کہا : "تو جھوٹا ہے' بلکہ تو منافق ہے' میں ضرور رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا"۔ اور قرآن نازل ہو گیا۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا : میں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی رسی کو پکڑے ہوئے (ساتھ ساتھ بھاگ رہا) تھا اور پتھر اسے زخمی کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا : "یا رسول اللہ! ہم تو گپ شپ اور دل لگی کر رہے تھے"۔ اور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے ﴿اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ (التوبہ : ۶۵'۶۶) "کیا تم اللہ کا' اس کی آیات کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے؟ معذرت نہ کرو' تم ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کر چکے ہو"۔ (۲۵)

۱۰) غلطی کا نقصان واضح کرنا :

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ (سفر کے دوران) کسی مقام پر پڑاؤ کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھاٹیوں اور وادیوں میں بکھر جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "تمہارا ان گھاٹیوں اور وادیوں میں یوں بکھر جانا شیطان کی طرف سے ہے"۔ اس کے بعد (یہ حال ہو گیا کہ) جب بھی آنحضرت ﷺ کسی مقام پر پڑاؤ ڈالتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے اس طرح مل کر بیٹھتے کہ اگر ان پر کپڑا پھیلایا جائے تو سب کو ڈھانک لے۔ (۲۶)

ایک روایت میں صحابی فرماتے ہیں : "انا مل کر بیٹھتے تھے کہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر میں اُن پر ایک چادر پھیلاؤں تو سب کو ڈھانک لے"۔ (۲۷)

اس میں جو چیز واضح ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت خیال رکھتے تھے اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر لشکر کو اپنی فوج کے فائدہ کا بہت خیال

رکھنا چاہئے اور یہ بھی کہ لشکر کے لوگ جب بکھر کر آرام کریں تو اس کی وجہ سے شیطان مسلمانوں کو خوف زدہ کر سکتا ہے اور دشمن کو حملہ کرنے کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ (۲۸)

اور بکھرنے کا یہ نقصان بھی ہے کہ لشکر کے افراد ایک دوسرے کی کماحقہ مدد نہیں کر سکتے۔ (۲۹)

یہ چیز بھی قابل توجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایک ہدایت ارشاد فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی پوری پوری تعمیل کی۔

غلطی کا نقصان واضح کرنے کی ایک اور مثال حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کا روایت کردہ ارشاد نبویؐ ہے : "تم ضرور اپنی صفیں سیدھی کرو' ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا"۔ (۳۰)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا : رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں اتنے اہتمام سے سیدھی فرماتے تھے گویا ان کے ساتھ تیر سیدھے کئے جائیں گے (یعنی صفیں تیر سے بھی زیادہ سیدھی ہوتی تھیں)' حتیٰ کہ آپؐ نے محسوس فرمایا کہ ہم نے یہ مسئلہ سمجھ لیا ہے (تب بار بار کہنا چھوڑ دیا)۔ اس کے بعد ایک دن آنحضرت ﷺ (نماز پڑھانے) تشریف لائے' آپؐ تکبیر کہنے ہی لگے تھے کہ آپؐ کی نظر ایک آدمی پر پڑی' جس کا سینہ صف (کے دوسرے افراد) سے آگے نکلا ہوا تھا۔ تب آپؐ نے فرمایا : "اللہ کے بندو! تم ضرور صفیں سیدھی کرو' ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے مابین اختلاف ڈال دے گا"۔ (۳۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا : "اپنی صفوں کو سیسہ پلائی ہوئی (دیوار کی طرح) کرو (آپس میں فاصلہ چھوڑ کر نہ کھڑے ہوا کرو)۔ اور صفیں قریب قریب بناؤ' اور گردنیں برابر رکھو (آگے پیچھے نہ کھڑے ہو)' قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' میں دیکھتا ہوں صف کے شگافوں میں شیطان اس طرح گھستے ہیں جیسے سیاہ مینڈھے"۔ (۳۲)

غلطی کرنے والے کو قائل کرنے کے لئے غلطی سے پیدا ہونے والی خرابیوں اور اس کے برے نتائج کی وضاحت بڑی اہم چیز ہے۔ بعض اوقات غلطی کا نتیجہ خود غلطی کرنے والے کے حق میں ہی برا ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس کے نتیجہ میں دوسروں کو بھی

نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پہلی صورت کی مثال سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' جو دوسرے الفاظ سے صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی کی چادر ہوا سے اڑنے لگی تو اس نے ہوا پر لعنت بھیجی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اسے لعنت نہ کرو' وہ حکم کی پابند ہے (یعنی اللہ کے حکم سے چلتی ہے)' جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے جو اس کی مستحق نہ ہو تو لعنت خود اسی (لعنت بھیجنے والے) پر پڑتی ہے"۔ (۳۳)

دوسری صورت کی مثال حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے' جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے دوسرے شخص کی تعریف کی [مسلم کی روایت کے مطابق اس شخص نے کہا تھا: "اے اللہ کے رسول' فلاں معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے بعد اس شخص سے افضل کوئی نہیں (۳۴)] تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ارے! تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی' تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی" کئی بار فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا: "جس نے اپنے بھائی کی تعریف ضرور کرنی ہو' وہ یوں کہے: فلاں شخص کے بارے میں میرا یہ خیال ہے' اور اللہ اس کا حساب لینے والا ہے' اور میں اللہ کے مقابلے میں کسی کو پاکباز قرار نہیں دیتا۔ میں اسے ایسے سمجھتا ہوں۔ یہ بھی تب کہے اگر اس کے علم میں وہ نیک آدمی ہو"۔ (۳۵)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں حضرت مجن اسلمی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ روایت کیا ہے' اس میں صحابی فرماتے ہیں: "حتیٰ کہ جب ہم مسجد میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز پڑھنے اور رکوع و سجود میں مشغول دیکھا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "یہ کون ہے؟" میں اس کی خوب تعریف کرنے لگا' میں نے کہا: "یا رسول اللہ! یہ فلاں صاحب ہیں' یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں" (الادب المفرد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "یہ فلاں صاحب ہیں' یہ تمام اہل مدینہ میں سب سے عمدہ نماز پڑھتے ہیں") آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "بس کر' اسے نہ سناؤ' ورنہ تم اسے ہلاک کر دو گے"۔ (۳۶)

صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک شخص کو سنا کہ کسی کی تعریف کر رہا ہے اور تعریف میں اسے حد سے بڑھا رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "تم نے اس آدمی کو تباہ کر دیا"۔ یا فرمایا : "تم نے اس کی کمر توڑ دی"۔[۳۷]

یہاں نبی اکرم ﷺ نے اُس غلط تعریف کرنے والے کو' جو مبالغہ آمیز انداز میں تعریفیں کر رہا تھا' اس کی غلطی کے انجام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مبالغہ آمیز تعریف کی وجہ سے ممدوح کے دل میں فخر پیدا ہو جائے گا' وہ غرور اور تکبر کی وجہ سے اکڑنے لگے گا۔ ممکن ہے اس تعریف کی وجہ سے اسے جو شہرت حاصل ہو' وہ اس پر بھروسا کرتے ہوئے عمل میں سستی کا شکار ہو جائے یا تعریف کی لذت محسوس کر کے ریا کاری میں مبتلا ہو جائے' اور اس طرح وہ ہلاک ہو جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسی چیز کو ان الفاظ میں بیان فرمایا : ((اَهْلَكْتُمْ)) "تم نے اسے تباہ کر دیا" یا ((قَطَعْتُمْ عُنُقَ الرَّجُلِ)) "تم نے اس کی گردن کاٹ دی" یا ((قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ)) "تم نے اس کی کمر توڑ دی"۔

اس کے علاوہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تعریف کرنے والا تعریف میں ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کا اسے یقین نہیں ہوتا' اور ایسی بات تاکید کے ساتھ کہہ دیتا ہے جس کو وہ براہ راست معلوم نہیں کر سکتا' اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ تعریف میں جھوٹ بول دیتا ہے' بعض اوقات ممدوح کے سامنے تعریف میں ریا کاری سے کام لے رہا ہوتا ہے' اس طرح گناہ اور بڑا ہو جاتا ہے' بالخصوص جبکہ ممدوح ظالم یا فاسق ہو تو اس جرم کی شناعت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔[۳۸]

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعریف کرنا سرے سے ممنوع ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے بعض حضرات کی موجودگی میں ان کی تعریف کی ہے۔ صحیح مسلم کے ایک باب کے عنوان سے یہ مسئلہ خوب واضح ہو جاتا ہے۔ باب کا عنوان یوں ہے : بابُ النَّهیِ عَنِ المَدحِ اذا کان فیه اِفراطٌ' وَ خِیفَ منه فِتنةٌ علَى المَمدُوحِ "تعریف کی ممانعت' جب کہ اس میں مبالغہ ہو اور اس سے ممدوح کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو"۔[۳۹]

البتہ جو شخص اپنی کوتاہیوں کا معترف ہوتا ہے اسے اس قسم کی تعریف سے نقصان نہیں ہوتا اور جب اس کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار

نہیں ہوتا' کیونکہ اسے اپنے صحیح مقام کا علم ہوتا ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے : جب کسی کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے تو اسے چاہئے کہ یوں دعا کرے : اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی مَالَا یَعْلَمُوْنَ' وَلَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا یَقُوْلُوْنَ' وَاجْعَلْنِی خَیْرًا مِمَّا یَظُنُّوْنَ[۴۰] "اے اللہ! میرے وہ گناہ معاف فرمادے جو ان لوگوں کو معلوم نہیں' اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر میری گرفت نہ فرمانا' اور مجھے ان کے گمان سے بہتر بنادے"۔

۱۱) غلطی کرنے والے کو عملی طور پر تعلیم دینا :

اکثر اوقات نظری تعلیم کے بجائے عملی تعلیم زیادہ موثر ہوتی ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ حضرت جبیر بن نفیر اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے پانی منگوایا اور فرمایا : "ابو جبیر! وضو کرلیجئے"۔ ابو جبیر رضی اللہ عنہ نے منہ سے وضو کی ابتدا کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "ابو جبیر! منہ سے شروع نہ کیجئے' کافر منہ سے شروع کرتا ہے"۔ پھر حضور علیہ السلام نے پانی طلب فرمایا اور اپنے ہاتھ دھو کر اچھی طرح صاف کرلئے۔ پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا' اور تین بار چہرہ مبارک دھویا' اور دایاں بازو کہنی تک تین بار دھویا' اور بایاں بھی تین بار دھویا' اور سر کا مسح کیا' اور قدم مبارک دھوئے[۴۱]۔

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب صحابیؓ کو یہ بتایا کہ کافر پہلے منہ دھوتے ہیں تو اس کا مقصد ان کے دل میں اس غلطی سے نفرت پیدا کرنا تھا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کافر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دیتا ہے[۴۲] جو صفائی کا اہتمام کرنے کے منافی ہے۔ واللہ اعلم

۱۲) صحیح متبادل پیش کرنا :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز ادا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے : بندوں کی طرف سے اللہ کو سلام' فلاں فلاں کو سلام۔ (ایک روایت میں ہے) جبرائیل کو سلام' میکائیل کو

سلام[۴۳] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

یوں نہ کہا کرو کہ اللہ کو سلام' اللہ تو خود سلامتی والا ہے۔ بلکہ یوں کہو : اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ' اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ' اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ (تمام قولی' بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبیؐ! آپ پر سلامتی ہو' اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ ہم پر بھی سلامتی ہو' اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی)۔ جب تم یہ کہو گے تو آسمان اور زمین میں اللہ کے ہر بندے کو یہ دعا پہنچ جائے گی۔ (پھر کہو) اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)۔ اس کے بعد جو دعا اسے اچھی لگے وہی منتخب کر کے پڑھ لے۔"[۴۴]

اس کی ایک مثال یہ ہے' جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' کہ نبی اکرم ﷺ نے (مسجد کی) قبلہ والی دیوار پر بلغم لگا دیکھا۔ آنحضرت ﷺ کو یہ چیز انتہائی ناگوار ہوئی' حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہو گئے۔ آپؐ نے خود اُٹھ کر اپنے ہاتھ سے کھرچ کر دیوار صاف کی اور فرمایا : "جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب کے ساتھ سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے' اور رب قبلہ کی طرف اس کے سامنے ہوتا ہے لہٰذا کوئی شخص قبلہ کی طرف ہرگز نہ تھوکے' بلکہ بائیں طرف تھوکے' یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے"۔ پھر آپؐ نے اپنی چادر کا ایک کونہ پکڑ کر اس میں تھوکا' اور کپڑے کا ایک حصہ دوسرے پر پلٹ دیا اور فرمایا : "یا اس طرح کر لے"۔[۴۵]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں : "کوئی شخص اپنے سامنے ہرگز نہ تھوکے' نہ دائیں طرف تھوکے' لیکن بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے"۔[۴۶]

ایک اور مثال : حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں برنی کھجوریں (ایک عمدہ قسم کی کھجوریں) لے کر حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "یہ کہاں سے آئیں؟" حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : "ہمارے پاس کچھ ادنیٰ قسم کی کھجوریں تھیں' میں نے ان کے دو صاع کے بدلے ایک

صاع یہ کھجوریں لے لیں' تاکہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کھانے کے لئے پیش کی جائیں۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "اوہو! یہ تو عین سود ہے' عین سود ہے! ایسے نہ کیا کرو۔ اگر تم خریدنا چاہو تو (اپنی ادنیٰ) کھجوریں الگ سودے کے طور پر بیچ دو' پھر (ان پیسوں سے) یہ (عمدہ کھجوریں) خرید لو"۔ (۴۷)

ایک روایت میں یوں ہے کہ : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام ایک دن تر و تازہ کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور نبی اکرم ﷺ کی کھجوریں بارانی زمین میں تھیں' ان میں خشکی محسوس ہوتی تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا : "تمہیں یہ کھجوریں کہاں سے ملیں؟" اس نے عرض کیا : یہ ایک صاع ہم نے اپنی دو صاع کھجوروں کے بدلے خریدا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "ایسے نہ کیا کرو' یہ درست نہیں۔ بلکہ اپنی کھجوریں بیچ دو' پھر جو کھجوریں چاہو خرید لو"۔ (۴۸)

ہم دیکھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنے والے بعض علماء جب لوگوں کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتے ہیں تو ان کے کام میں ایک نقص نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ یہ بات تو واضح کر دیتے ہیں کہ فلاں کام غلط ہے اور فلاں کام حرام ہے' لیکن یہ نہیں بتاتے کہ اس کی جگہ انہیں کیا کام کرنا چاہئے' یا اس کام کا صحیح طریقہ کار کیا ہے۔ حالانکہ شریعت کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ جن حرام طریقوں سے اپنی کوئی غرض پوری کرتے ہیں' شریعت ان کی جگہ ان کا متبادل پیش کرتی ہے۔ مثلاً جب زنا کو حرام قرار دیا گیا تو اس کے ساتھ نکاح کا صحیح طریقہ بتا دیا گیا۔ اسی طرح اگر سود حرام کیا گیا ہے تو اس کی جگہ تجارت کو جائز قرار دے دیا گیا۔ خنزیر' مُردار' کچلی والے جانور اور پنجے سے شکار کرنے والے پرندے حرام قرار دیئے گئے' تو دیگر مویشیوں اور شکار کئے جانے والے جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے علاوہ اگر کسی شخص سے حرام کام کا ارتکاب ہو جائے تو شریعت نے اس کیلئے توبہ اور کفارہ کا راستہ کھلا رکھا ہے' جس کی تفصیلات قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ لہٰذا مبلغ کو چاہئے کہ شریعت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نعم البدل پیش کرے' اور مشکل سے نکلنے کیلئے شرعی حل تلاش کرے۔ (۴۹)

یہاں یہ اشارہ کر دینا مناسب ہے کہ متبادل پیش کرنا بہرحال استطاعت کے مطابق ہی

ممکن ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام غلط ہوتا ہے جس سے پرہیز کرنا واجب ہوتا ہے' لیکن حالات کی خرابی کی وجہ سے یا لوگوں کی شریعت سے دوری کی وجہ سے عملاً کوئی مناسب نعم البدل موجود نہیں ہوتا' یا داعی کو بروقت کوئی متبادل یاد نہیں آتا' یا وہ ان چیزوں سے واقف نہیں ہوتا جو صحیح متبادل بن سکتی ہیں۔ ان حالات میں بھی اس کے لئے غلطی پر تنبیہہ کرنا اور برائی سے روکنا ضروری ہے' اگرچہ وہ ان کی توجہ کسی متبادل کی طرف مبذول نہ کرا سکے۔ ایسی صورتحال عام طور پر بعض مالی معاملات اور سرمایہ کاری کے ان طریقوں میں پیش آتی ہے جو غیر مسلم معاشروں میں وجود میں آئے اور پھر اپنی تمام قباحتوں اور خلاف شریعت امور سمیت مسلمانوں کے معاشروں میں رواج پا گئے اور مسلمانوں کی کوتاہی اور کمزوری کی وجہ سے ان کا کوئی شرعی نعم البدل ایجاد کر کے رائج نہیں کیا جا سکا۔ اس کے باوجود حقیقت یہی ہے کہ یہ نقص اور کوتاہی ہے اور شریعت میں ان کے متبادل موجود ہیں اور ایسے حل موجود ہیں جن کو اختیار کر کے مسلمان اس مشکل سے نکل سکتے ہیں' خواہ کسی کو ان حلول کا علم ہو یا نہ ہو۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱) سنن ترمذی' حدیث نمبر ۲۷۹۶۔ امام ترمذی نے فرمایا : یہ حدیث حسن ہے۔
(۲) فتح الباری' حدیث ۳۵۱۸۔ (۳) صحیح مسلم' حدیث ۲۵۸۴۔ (۴) صحیح بخاری
(۵) صحیح مسلم' حدیث ۲۵۸۴ (۶) ملاحظہ ہو' فتح الباری ۹/ ۱۰۴
(۷) مسند طیالسی' معجم کبیر طبرانی' ۱۹ / ۱۹۴ ۔ حدیث ۴۳۵ ۔ سلسلہ احادیث صحیحہ حدیث ۲۶۲۳۔
(۸) فتح الباری ۷ ۶۴۴ (۹) سنن ابن ماجہ' طبع عبد الباقی' حدیث ۴۱۲۰۔
(۱۰) صحیح مسلم طبع عبد الباقی' حدیث ۹۷ (۱۱) صحیح مسلم طبع عبد الباقی' حدیث ۹۶
(۱۲) صحیح مسلم' حدیث ۱۶۵۹
(۱۳) جامع ترمذی حدیث ۱۹۴۸۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(۱۴) سنن ترمذی' حدیث ۱۱۹۹۔ امام ترمذی نے فرمایا : یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔
(۱۵) صحیح بخاری' حدیث ۱۹۳۶
(۱۶) مسند احمد ۲/ ۵۱۶۔ الفتح الربانی ۱۰/ ۸۹

(۱۷) صحیح بخاری، فتح الباری حدیث ۴۹۹۲

(۱۸) سنن نسائی، کتاب آداب القضاۃ، باب الاستعداء۔ صحیح سنن نسائی حدیث ۴۹۹۹

(۱۹) صحیح مسلم حدیث ۲۸۵ (۲۰) فتح الباری حدیث ۶۱۲۸

(۲۱) جامع الاصول ۷/ ۸۳ تا ۸۷

(۲۲) معجم کبیر طبرانی، حدیث ۱۱۵۵۲۔ ج ۱۱ ص ۲۲۰۔ ہیثمی نے فرمایا : اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع ۲/ ۱۰)

(۲۳) سنن ابن ماجہ، طبع عبد الباقی حدیث ۵۲۰۔ صحیح ابن ماجہ حدیث ۴۲۸

(۲۴) فتح الباری، جلد ۱، صفحہ ۳۲۴، ۳۲۵

(۲۵) تفسیر ابن جریر طبری ۱۴/ ۳۳۳۔ اس کی سند حسن ہے۔

(۲۶) سنن ابی داؤد، حدیث ۲۲۸۶۔ امام البانی نے اسے صحیح ابی داؤد میں ذکر کر کے صحیح قرار دیا ہے۔ (حدیث ۲۲۸۸)

(۲۷) مسند احمد، الفتح الربانی ۱۴/ ۴۴۔ (۲۸) دیکھئے عون المعبود۔ ۷/ ۲۹۲

(۲۹) دیکھئے دلیل الفالحین ۶/ ۱۳۰ (۳۰) صحیح بخاری، فتح الباری، ۷/ ۱۷

(۳۱) صحیح مسلم، حدیث ۴۳۶۔

(۳۲) سنن نسائی ۲/ ۹۲۔ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح سنن نسائی، حدیث ۷۸۵)

(۳۳) سنن ابی داؤد، حدیث ۴۹۰۸۔ صحیح ابی داؤد (حدیث ۴۱۰۲)

(۳۴) صحیح مسلم، حدیث ۳۰۰۰ (۳۵) فتح الباری، حدیث ۲۶۶۲، کتاب الشہادات

(۳۶) صحیح الادب المفرد، حدیث ۱۳۷۔ امام البانی نے فرمایا : "یہ حدیث حسن ہے"۔

(۳۷) فتح الباری، حدیث ۲۶۶۳ (۳۸) فتح الباری ۱۰/ ۴۷۸۔

(۳۹) صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق (۴۰) فتح الباری ۱۰/ ۴۷۸۔

(۴۱) سنن بیہقی ۱/ ۴۶۔ سلسلہ صحیحہ، حدیث ۲۸۲۰

(۴۲) یہ نکتہ مجھے علامہ شیخ عبد العزیز بن باز نے بتایا تھا، جب میں نے ان سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا۔

(۴۳) سنن نسائی کتاب التطبیق باب کیف التشہد الاول۔ صحیح سنن نسائی، حدیث ۱۱۱۹۔

(۴۴) صحیح بخاری مع فتح الباری ۸۳۵ (۴۵) صحیح بخاری مع فتح الباری ۴۰۵

(۴۶) صحیح بخاری مع فتح الباری ۴۱۲۔ (۴۷) بخاری و فتح الباری ۲۳۱۲

(۴۸) مسند احمد ۳/ ۶۷

ماں کی عظمت

مختار حسین فاروقی 'ملتان

ماہ اپریل میں بچوں کے لئے جتنے رسالے آئے سب نے کسی نہ کسی انداز میں "ماں کی عظمت" کو اجاگر کیا تھا اور یہ جان کر حیرت ہی میں اضافہ ہوا کہ دنیا میں شاید ہی کوئی معقول انسان ہو جو ماں کی عظمت کا اعتراف نہ کرتا ہو۔ بلکہ تمام مشاہیر و زعماء اقوام عالم یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آج وہ خود عظمت کی جن بلندیوں پر ہیں اُن کو وہاں تک پہنچانے میں ماں کی تربیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ بات صرف دنیا کی عظیم اور رہنما ہستیوں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر سلیم الفطرت اور ذی شعور انسان کا ادراک یہیں تک پہنچتا ہے' یا وہ خود تجربات سے اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ ہمارے ہاں روڈ ٹرانسپورٹ کا جو حال ہے اس کے پیش نظر یہ جملہ آپ کو اکثر لکھا ہوا ملے گا "ماں کی دُعا ـــــ جنت کی ہوا"۔

الحمد للہ یہ اچھی بات ہے کہ ہم لوگ اپنے والدین اور بالخصوص ماؤں کے بارے میں اچھے جذبات رکھیں اور اُن کے احسانات کا تذکرہ کریں ـــــ مگر یہ سوال اپنی جگہ لمحہ فکریہ فراہم کرے گا کہ اچھی مائیں کہاں سے آتی ہیں؟ کیا اچھی مائیں درآمد کی جاتی ہیں؟ کیا اچھی مائیں آسمان سے آتی ہیں؟ کیا اچھی مائیں....؟....؟ جس طرح کہا جاتا ہے کہ آج کا بچہ کل کا باپ ہو گا' اِسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کی بچی کل کی ماں ہو گی۔

چنانچہ جیسے ایک لڑکے کو اچھی تربیت کے ذریعے کل کا ایک ذمہ دار انسان بنایا جا سکتا ہے ـــــ ایک اچھا صنعت کار' کارخانہ دار' ایک وزیر' ایک رہنما' ایک وزیر اعظم' ایک استاد' ایک پروفیسر' ایک انجینئر' ایک ڈاکٹر' ایک منتظم' ایک مصلح' ایک خطیب' ایک مفتی' ایک فقیہ اور ایک سچا مذہبی رہنما اچھی تربیت ہی کا ثمرہ ہو سکتا ہے ـــــ تو یہ بات ہماری آنکھوں سے کیونکر اوجھل ہو جاتی ہے کہ ایک اچھی ماں بھی آج کی

بچیوں کی اچھی اور مثالی تربیت کا ثمرہ ہو سکتی ہے۔

ستم یہی ہے کہ آج اچھی ماں کی عظمت کے گُن گائے جا رہے ہیں اور جنہیں اچھی مائیں یا اچھی تربیت میسر آ گئی وہ اپنی قسمت پر نازاں نظر آ رہے ہیں' مگر آج کے بچے کو ایک اچھی تربیت گاہ اور ایک اچھی ماں فراہم کرنے کا بار گراں کس کے سر ہے؟ آج کی بچی کو بیس سال بعد ایک مثالی ماں کے روپ میں ڈھالنا کس کی ذمہ داری ہے؟ کیا یہ کام خود بخود ہو نا ممکن ہے؟ نہیں' ہرگز نہیں ـــــ اس کے لئے بھی بے حد محنت و مشقت اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

آج کے بڑے آدمی' آج کے منصوبہ ساز' آج کے راہنمایانِ قوم اور آج کے معمارانِ قوم کے ذمہ یہ اجتماعی فرض ہے کہ "ماں کی عظمت" کی بحالی چاہتے ہیں تو ہر شیر خوار بچے کو ایسی ماں کا نمونہ بہم پہنچائیں جو حوصلہ مند' پاک دامن' عفت مآب' صالحہ' خدا ترس' عبادت گزار' اسلام کی شیدا اور قرونِ اولیٰ کی صالح خواتین کا نمونہ ہو۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا مستقبل شاندار اور محفوظ ہو گا' برائی کا خاتمہ ہو سکے گا اور خیر پھیل سکے گا۔ اچھی اقدار پھلیں اور پھولیں گی اور برائی اور بُری باتوں کا خاتمہ ہو سکے گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو آج کے بچے کل بڑے ہو کر اچھی ماؤں سے محرومی کے سبب چور' ڈاکو' اچکے' بے ایمان' راشی' بدمعاش' کرپٹ اور میر جعفر اور میر صادق کے روپ میں قوموں کو فروخت کرنے والے' قوموں کو قرضوں میں جکڑنے والے اور قومی معاملات اور بین الاقوامی معاملات میں کروڑوں اور اربوں روپوں کی کمیشن وصول کرنے والے بن کر سامنے آئیں گے۔

آیئے' ایک لمحے کے لئے سوچتے ہیں کہ جس ماں کی عظمت کے ہر شخص گُن گاتا نظر آتا ہے اس عظیم ماں کے اوصاف کیا ہو سکتے ہیں' اور اگر یہ بات سمجھ میں آ جائے تو دوسرا مرحلہ یہ ہو گا کہ ہم اپنی آئندہ نسل کی خواتین میں یہ اوصاف کیسے پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی اچھی بات کا ادراک حاصل کر لینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا بلکہ اصل کام تو اس کو عملی صورت میں ڈھالنا ہے۔

دنیا کی عظیم ہستیاں عظیم ماؤں ہی کی تربیت کا نتیجہ ہیں' تو آیئے عظیم لوگوں کے اپنے

ماؤں کے بارے میں تاثرات سے بات شروع کرتے ہیں۔ جو باتیں متفقہ اور مشترک ہیں وہ درج ذیل ہیں :

۱) ایک اچھی ماں ایک شفیق عورت ہوتی ہے۔
۲) ایک اچھی ماں ایک حوصلہ مند خاتون ہوتی ہے۔
۳) ایک اچھی ماں ایک سلیقہ شعار خاتون ہوتی ہے۔
۴) ایک اچھی ماں ایک اچھی گھریلو منتظمہ ہوتی ہے۔
۵) ایک اچھی ماں اعلیٰ اقدار پر خود بھی عمل پیرا ہوتی ہے اور اولاد کو ان پر عمل کرنے کے لئے ابھارتی ہے' جیسے سچ بولنا' خدمت خلق کرنا' غریبوں' ضرورت مندوں کی مدد کرنا' ناپ تول میں کمی نہ کرنا' ظلم نہ کرنا' کسی کا حق نہ مارنا' بے حیائی کے کاموں سے احتراز کرنا وغیرہ۔
۶) ایک اچھی ماں باکردار خاتون ہوتی ہے۔
۷) ایک اچھی ماں اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرنے والی خاتون ہوتی ہے۔
۸) ایک اچھی ماں ایثار و قربانی کا پیکر ہوتی ہے۔
۹) ایک اچھی ماں مصیبتوں اور مشکل حالات کا مقابلہ کرتی ہے اور یہی جذبہ اولاد میں پیدا کرتی ہے۔
۱۰) ایک اچھی ماں ایک اچھی عورت کے روپ میں شوہر کے گھر میں میسر وسائل سے کام لے کر اولاد کی اعلیٰ ترین تربیت کرتی ہے۔
۱۱) ایک اچھی ماں اولاد کی تربیت سے کبھی غافل نہیں رہتی اور اولاد کی تربیت کو چھوڑ کر دوسرے غیر ضروری کاموں پر توجہ نہیں کرتی۔

ہو سکتا ہے کہ اوپر درج گیارہ باتوں میں کچھ تکرار بھی ہو' اور عین ممکن ہے کہ ہر ماں میں تمام خوبیاں نہ پائی جا سکیں' تاہم ایک اچھی ماں کے اوصاف کا بڑا حصہ اوپر درج سطور میں آگیا ہے۔

اب اگلا مرحلہ یہ ہے کہ آیئے سوچیں کہ کیا ہمارے اِس دَور میں اکثر گھروں میں

ایسی مائیں موجود ہیں؟ بات اکثریت کے حوالے سے ہی ممکن ہے۔ انسانی معاملات میں سو فیصد نتائج تو قریباً ناممکن الحصول ہوتے ہیں۔ آج کے معاشرے میں آپ دائیں بائیں نظر دوڑائیں' حالات کا جائزہ لیں اور قومی اخبارات کے کچھ دنوں کے تراشے جمع کرلیں تو آپ کو نظر آئے گا اور آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اچھی ماں کے معیار پر اترنے والی خواتین تو شاید ہمارے معاشرے کے ۱۵۔۲۰ فیصد گھروں میں بھی موجود نہیں ہیں۔ کیا ان ۱۵۔۲۰ فیصد گھروں کے تربیت یافتہ بچے معاشرے کے سیلاب بدتمیزی کے آگے بند باندھ سکیں گے؟ یا آئندہ دنوں میں الیکٹرانک میڈیا (ریڈیو' ٹی وی' وی سی آر' ڈش' کمپیوٹر انٹرنیٹ وغیرہ) کی یلغار کے باعث یہ قلیل تعداد اسی سیلاب عریانی وفحاشی وبے دینی کی نذر ہو جائے گی اور شاید آج سے ۱۵ سال بعد کا تجزیہ نگار یہ لکھنے پر مجبور ہو جائے کہ ہمارے ہاں اچھی اور مثالی ماؤں کا تناسب شاید کم ہو کر ۵ فیصد رہ گیا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک

غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ آج کے معاشرے میں پرورش پانے والے بچوں کے مستقبل کو مثالی انسانی اور اعلیٰ قدروں پر استوار کرنے کے لئے ہمیں آج کی ماؤں کی کیا تربیت کرنی چاہئے کہ وہ اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کر سکیں' اور آج کے جو بچے اعلیٰ عہدوں تک پہنچ کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام کریں یا دیگر اعلیٰ انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں تو وہ فخریہ کہہ سکیں کہ میرے اِس مقام تک پہنچنے میں میری والدہ محترمہ کا بڑا حصہ ہے' یا آج کی بچیاں جن کے ہاتھ میں پوری انسانیت کا مستقبل آنے والا ہے وہ جب ذمہ داری کے منصب پر پہنچیں اور اپنے گھروں میں آباد ہو کر ماؤں کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہوں تو وہ ایک مثالی ماں کا کردار ادا کر سکیں۔ اِن کے لئے کون کون سے طریقے اختیار کئے جائیں یا ان کے نصاب میں کس طرح کی تبدیلیاں کی جائیں کہ وہ اپنے ان فرائض کی احسن طریق پر ادائیگی میں فخر محسوس کر سکیں۔

اس مسئلے کا ایک مشکل پہلو یہ بھی ہے کہ آج کے دور میں بھی ماں کی عظمت کے گُن گانے کے باوصف عملی طور پر دنیا میں عورت (یا ماں) کی تربیت کے لئے کوئی مثبت انداز اختیار نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ عملی طور پر عورت کو ہر پہلو سے نظروں سے گرا کر اور ایک "اشتہاری مواد" کی حیثیت دے کر اس کے اعلیٰ مقام سے دربدر کیا جا رہا ہے اور نتیجہ

کے طور پر آئندہ نسلوں کو اخلاقی قدروں سے عاری بنانے اور اچھے انسانی کردار کی ادائیگی سے بے نیاز کیا جارہا ہے۔ یہ تو آئندہ آنے والا وقت بتائے گا تاہم یہ بات عیاں ہے کہ ع "جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا!" کے مصداق ہم نے انتظام کر دیا ہے کہ آئندہ معاشرہ "انسانوں کا معاشرہ" کی بجائے "حیوانوں کا معاشرہ" کہلانے کا زیادہ مستحق ہو گا۔

آج بھی اگر معاشرے کے قلیل لوگوں کو "ماں کی عظمت" اور "ماں کی تربیت" کی قدر و قیمت کا احساس ہے تو غنیمت ہے' اس چنگاری سے محنت و ریاضت اور عرق ریزی سے شعلہ جوالہ پیدا کیا جا سکتا ہے' قطع نظر اس سے کہ یہ کٹھن کام کیسے ہو گا اور کون کرے گا؟ چلو اس کا تذکرہ تو کرتے ہیں اور اس کو عام کرنے کی کوشش کرتے ہیں' شاید کبھی کوئی "مردِ از غیب" سامنے آجائے اور یہ ناممکن بھی ممکن ہو جائے۔ یہ بہرحال حقیقت ہے کہ یہ کام ہونا ضروری ہے اور یہ کام ایک حد تک کیے بغیر مستقبل میں عالمی اسلامی معاشرہ تو کجا انسانی معاشرہ کو برقرار رکھنا بھی next to impossible ہے۔

پانچ نکاتی لائحہ عمل

آج کی بچیوں کو مستقبل کی مثالی ماں کا کردار ادا کرنا ہے۔ اس کے لئے چند ناگزیر باتوں کا تذکرہ نیچے کیا جارہا ہے۔ اندازِ بیان تو بالکل شوخ نہیں ہے' تاہم نفس مضمون میں ایک فطری کشش اور divine beauty ہے جس کی وجہ سے شاید چند سعید روحیں اس کی طرف کھنچ آئیں اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے کمرِ ہمت کس لیں۔ وہ چند باتیں جنہیں "پانچ نکاتی لائحہ عمل" کا نام دیا جا سکتا ہے' درج ذیل ہیں :

۱) انسان کو عظمت کا احساس دلانے والی باتوں میں سب سے نمایاں چیز مذہب ہے۔ یہ مذہب ہی ہے جو انسانوں میں اعلیٰ انسانی قدریں' بے لوث خدمت' آخرت کا اجر و ثواب اور ایک خدائے واحد کا تصور دے کر انسانوں میں یکسانیت اور بھائی چارہ پیدا کرتا ہے۔ اس مذہب کی بنیاد وحی الٰہی (Divine Revelation) پر ہے۔ اسی وحی الٰہی کے مظہر تورات' انجیل وغیرہ ہیں اور اسی کی ایک شکل قرآن مجید ہے۔ مذہب بالعموم اور

قرآن مجید بالخصوص عظمت انسانی کو اجاگر کرتا ہے' مساوات انسانی کا درس دیتا ہے اور مرد و عورت کی ذمہ داریوں کے فرق کے باوجود شرف انسانی اور جزائے آخرت میں دونوں کو برابر قرار دیتا ہے۔ اس تصور سے عورت "پنج ذات" سے بلند ہو کر مردوں کے برابر ہو گی اور اس کو عظمت کا احساس ہو گا اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائے گی۔

حیرت ہے کہ آج عورت کو عظمت کا احساس دلانے والی اس چیز ـــــ مذہب' اسلام' قرآن مجید ـــــ ہی کو دقیانوسی کہہ کر ترک کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ حالانکہ عورت کو اندھیروں اور پستیوں سے نکال کر عظمتوں اور بلندیوں پر پہنچانے والا اسلام اور قرآن ہی ہے۔ عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم صرف قرآن مجید کی ناظرہ تعلیم نہیں ہے' بلکہ اسے سمجھ کر پڑھنے اور عام کرنے کی ضرورت ہے۔

۲) اس مقصد کے لئے دوسری اہم چیز تعلیم ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر انسان کو تعلیم کا حق حاصل ہے اور اس میں عورتیں بھی شریک ہیں۔ اسلام اور قرآن مجید اس کا داعی ہے' مگر تعلیم کے نام پر جہالت' بے حیائی' عریانی و فحاشی وغیرہ تعلیم کے تصور کے ساتھ مذاق ہے۔ ایسی تعلیم از بس ضروری ہے جس میں اعلیٰ انسانی قدروں کی عظمت' اُن کا حصول' بہادری' محنت کی عظمت' پاکبازی' اعلیٰ کردار اور مساوات انسانی کا تذکرہ ہو۔ بالخصوص خواتین کے نصاب میں ایک مثالی ماں کے کردار کو اجاگر کیا جائے۔ اس کے برعکس آج کی تعلیم کے نتیجے میں عورت کو جو پڑھایا جا رہا ہے اس سے وہ نکاح اور گھر گرہستی کو ایک قید تصور کرتی ہے اور نکاح کی زندگی کی بجائے آزاد بلکہ آوارہ زندگی کو ترجیح دیتی ہے۔ یہ تعلیم "ماں کی عظمت" کے تصور کی کامل نفی ہے۔ عورت کی ذمہ داریوں میں گھر کی زندگی' اولاد کی تربیت اور بطور ماں کے بچوں میں اعلیٰ انسانی قدروں کی اہمیت و نشوونما ہی اصل ذمہ داری ہے۔ چنانچہ اس تصور کے منافی تعلیم کے تمام نصاب بیک جنبش قلم ختم کر دینے چاہئیں۔

۳) ایک مثالی ماں کے کردار کے پروان چڑھانے کے لئے تیسری اہم چیز عفت و عصمت کی حفاظت ہے' اور اس کے لئے جیسے علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ع "نسوانیتِ

زن کا تنہاں ہے فقط مَرد!" معاشرہ میں معاشی بوجھ کُل کا کُل مَرد پر ڈالا گیا ہے اور عورت کی اصل ذمہ داری گھر کی ملکہ کی حیثیت سے گھریلو معاملات کو انجام دینا اور اولاد کی تربیت و نگہداشت ہی بنتی ہے۔ عفت و عصمت کی حفاظت کا منطقی نتیجہ نکاح کا راستہ اور شادی شدہ زندگی ہے' جس سے عورت کی عفت کی حفاظت بھی مَرد کے ذمہ آتی ہے۔

جنسی اعتبار سے آزاد زندگی اور طلاق یافتہ زندگی عورت کی عظمت کو تار تار کرنے کے مترادف ہے۔ طلاق کی زندگی سے بچوں کی نفسیات پر جو برے اثرات پڑتے ہیں وہ ماں کی عظمت کے اس آفاقی تصور کے منافی ہیں۔ لہٰذا اولاً عورت کو عفت و عصمت کی زندگی گزارنی چاہئے' پھر نکاح کی زندگی گزارنی چاہئے۔ مَردوں کو عورتوں پر ظلم نہیں کرنا چاہئے' تاہم عورت کو بھی گھر کی چار دیواری کے اندر اولاد کی تربیت کا حق ادا کرنا چاہئے۔ ایسا ماحول ہو اور ایسا نظام تعلیم جو اسی نقطہ پر نگاہوں کو مرکوز کر سکے۔

جوان عورتوں کی ملازمت' غیر مَردوں سے آزادانہ میل جول' مخلوط تعلیم' مخلوط اجتماعات' مخلوط دفاتر بالکل ختم کر دینے چاہئیں۔ عورتوں کی بطور ایئر ہوسٹس ملازمت پر پابندی عائد کر دی جائے۔ مَردوں کے ہسپتالوں میں عورت نرسوں کی موجودگی ختم ہونی چاہئے اور عورتوں کو مَردوں کی نگاہوں سے بچانے کے لئے اشتہاروں میں بھی عورت کی تصویر کی اشاعت پر مکمل پابندی عائد کی جانی چاہئے۔ ستر و حجاب کے قرآنی احکام کا نفاذ اس مقصد کے حصول کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے تاکہ بقول علامہ اقبال ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

اس مقصد کے لئے عورتوں کے مقابلۂ حسن پر بھی پابندی ناگزیر ہے اور بے جا فیشن اور مقابلوں پر بھی قدغن ضروری ہے۔ معاشرے میں سادگی کو رواج دینا ضروری ہو گا۔ البتہ عورتوں کی صحت کے لئے ورزشیں' کھیلیں اور دوسری ضروری ہم نصابی سرگرمیاں' جو "ماں کی عظمت" کے اعلیٰ کردار کے حصول کے لئے کسی حد تک ناگزیر ہیں' حدود و قیود کے ساتھ ان کا جاری رہنا ضروری ہے۔

ایسے اقدامات بھی ضروری ہیں کہ جس سے مَردوں اور عورتوں کا اخلاق خراب نہ ہو کہ مَرد بیوی کو نظرانداز کر کے دوسرے راستے تلاش کرنے پر مجبور ہو اور عورت بھی آزادانہ میل جول کے نتیجے میں غیر مَردوں سے رابطہ رکھنے پر اکسائی جائے۔ اس مقصد کے لئے گندی فلموں پر پابندی از بس ضروری ہے۔ ٹی وی پر ڈرامے اور مخربِ اخلاق پروگرام یکسر بند کر دینے چاہئیں۔ سینما' ویڈیو فلمیں بالکل بند کر دی جائیں۔ بے حیا اور فاحشہ عورتوں کے گانے' عشقیہ غزلیں اور دیگر جنسی اکساہٹ کا سبب بننے والے لٹریچر' رسائل اور تصاویر وغیرہ پر سخت پابندی عائد کی جانی چاہئے۔ ڈش انٹینا پر مکمل پابندی عائد ہونی چاہئے تاکہ اخلاقی گندگی کے تمام راستے بند کرنے کے بعد کسی چور دروازے سے یہ گندگی پھر گھروں میں داخل نہ ہو سکے۔

اس کام میں ایسا نہ ہو کہ "عورت کی عظمت" اور "ماں کی عظمت" کے حوالے سے ساری پابندیاں عورتوں پر ہی لگا دی جائیں اور مَرد پہلے کی طرح آزاد رہیں۔ یہ پابندیاں مَردوں کو بھی برداشت کرنا ہوں گی تاکہ ایک اچھا معاشرہ وجود میں آسکے۔ ان جرائم کی مکمل بیخ کنی کے لئے سخت ترین سزائیں نافذ کی جانا ضروری ہوں گی تاکہ اچھی مائیں اور نتیجتاً اچھے بچے معاشرے کا حصہ بن سکیں۔

۴) الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے سادہ زندگی بالخصوص نکاح شادی میں سادگی کی ترغیب دی جائے اور ستر و حجاب کی پابندی کرائی جائے۔ فحش لٹریچر اور مواد پر پابندی کرانے اور بالخصوص روزنامہ اخبارات میں فلمسٹار عورتوں کی بطور ideal تصویروں کی اشاعت کی مکمل بندش کے بعد ـــــ ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جہاں طلاق کی شرح ناقابل یقین حد تک کم ہو جائے گی' جس سے بچوں کی تربیت پر بے حد اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔

اس ضمن میں اخبارات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اخبارات کو اچھے معاشرے کی تشکیل میں اچھی' باکردار' باحیا اور باخلاق ماؤں کے کردار کو اجاگر کرنا چاہئے۔

۵) مذہب سے وابستگی' تعلیم کی فراوانی' گندے ماحول اور لٹریچر سے گلو خلاصی کے بعد بھی اپنے بچوں اور بالخصوص بچیوں کی صحیح تربیت کے لئے آج کے والدین کا کردار پھر

بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ آج کے والدین بالخصوص مائیں اپنے ماضی سے توبہ کریں' نیکی اور پارسائی کی زندگی بسر کریں (والد بھی لازماً ایسا ہی کریں' مگر اس مضمون میں صرف ماؤں کے کردار کا تذکرہ ہے) تو اُن کی سابقہ زندگی کے اثرات سے نئی نسل محفوظ رہ سکتی ہے۔ حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "گناہ سے توبہ کرنے والا انسان (عورت یا مرد) ایسا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں"۔

اور اچھے گھریلو ماحول کے لئے گناہوں سے توبہ لازمی چیز ہے۔ نئی نسل اور بالخصوص بچیوں کی تربیت میں توبہ بھی ایک مؤثر ہتھیار کا کام دے سکتی ہے' آزمائش شرط ہے۔

"ماں کی عظمت" کا احساس کرنے کے نتیجے میں مندرجہ بالا پانچ کام ضروری ہیں۔ انفرادی سطح پر یہ لائحہ عمل زیادہ مؤثر نہیں ہے' لہٰذا اس کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالا جائے اور پالیسی ساز اداروں کو مجبور کیا جائے کہ وہ انسانی مستقبل کے لئے یہ اقدامات کریں۔ عورتوں کو بھی ان کے کردار کی عظمت کا احساس دلایا جائے تاکہ وہ خود بھی خوش دلی سے اس میں شریک ہوں تو ہر گھر ایک جنت ارضی بن سکتا ہے اور اس میں پرورش پانے والے بچے اگلے پچاس سال تک اپنی ماؤں کے احسانات کے گن گاتے رہیں گے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔

ضرورت رشتہ

درس نظامی سے فارغ' حافظ قرآن' عمر ۴۵ سال' کنوارے' صحت بہت اچھی' لیکن آنکھوں کی بنیائی ختم ہو گئی ہے' مالی حالت اچھی ـــــ کے لئے کنواری یا بیوہ' ترجیحاً حافظ قرآن یا دینی علوم پڑھی ہوئی خاتون کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ' ع رمعرفت میثاق 36/k' ماڈل ٹاؤن' لاہور

قانون کی اعلیٰ ڈگری ایل۔ ایل۔ ایم (شریعہ) کی حامل ایک دوشیزہ کے لئے' جس کی عمر ساڑھے پچیس سال ہے اور جس کا تعلق جٹ فیملی سے ہے' دیندار خاندان سے موزوں رشتہ درکار ہے ـــــ برائے رابطہ :

فون نمبر : 04341/610027 لاہور : 7460556 سرگودھا : 214704

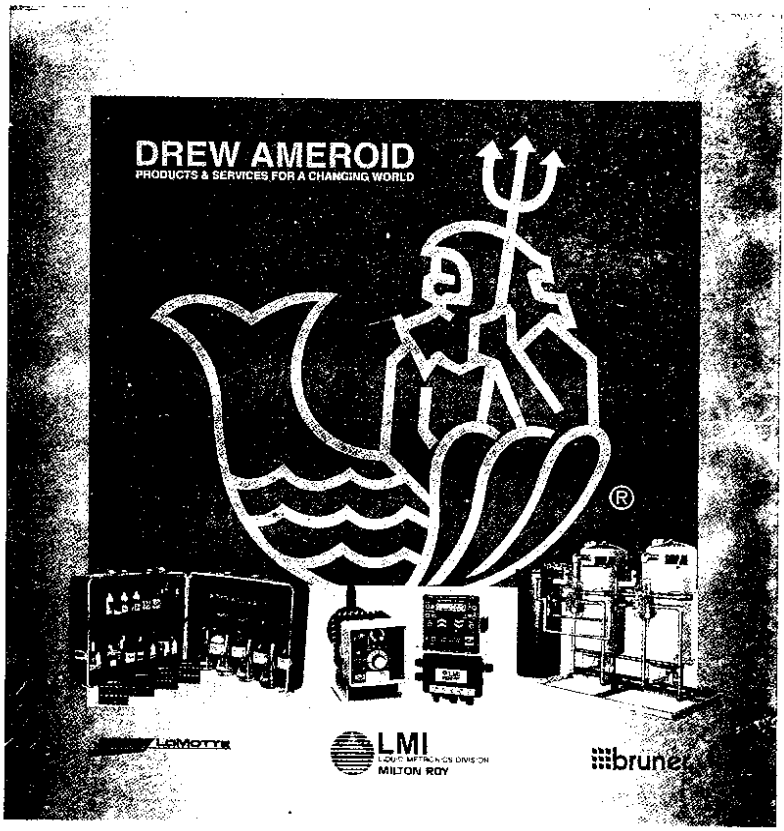

ORIENT WATER SERVICES (PVT) LTD.
THE INDUSTRIAL WATER TREATMENT COMPANY

KARACHI
Tel: 453-3527 453-9535
Fax: 454-9524

LAHORE
Tel: 712-3553 722-5860
Fax: 722-7938

ISLAMABAD
Tel: 273168 277113
Fax: 275133

FAISALABAD
Tel: 634626
Fax: 634922

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

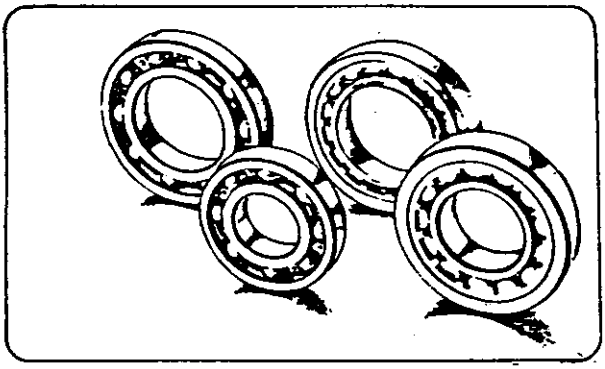

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 47 No. 6
Jun, 1998

FOTO SCAN PH;7234042-7111906